جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدّثِ عصر

بانی

فخر المحدّثین حضرت مولانا سیّد انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر

سیّد احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

سلسلہ نمبر ۱۸۹	شمارہ ۴	جلد نمبر ۲۲	اگست، ستمبر ۲۰۲۴ء

بانی: فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر: سید احمد خضر شاہ مسعودی

نائب مدیر
مولانا سید فضیل احمد ناصری
08881347125

نگراں ترسیل
مولانا ابوطلحہ اعظمی
09997504588

اشتراک وتعاون

اندرونِ ملک:

فی شمارہ -/30 سالانہ -/360
خصوصی -/1000
تاحیات -/6000

بیرونِ ملک:

سالانہ: 20 امریکی ڈالر
خصوصی: 100 امریکی ڈالر
تاحیات: 500 امریکی ڈالر

شائع کردہ: جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند 247554 (یوپی)

فون آفس: 01336-220471 فون وفیکس (مدیر) 01336-222471-223371

موبائل (مدیر): 08006075484 ای۔میل: ahmadanzarshah@gmail.com

ورق در ورق

صریر خامہ

عصریات	سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری	۳

قرطاس وقلم

نبی کریم ﷺ کی تاریخ ولادت	حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب	۵
امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور...	مولانا محمد صغیر پرتاپ گڑھی	۱۴
لا مذہبیت کا فتنہ لا دینیت پر جا کر ختم ہوتا ہے	مولانا محمد عبد الرشید نعمانیؒ	۱۹
سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ	مولانا سید فضیل احمد ناصری	۲۲
چند ''قرآنی لغات'' کا مختصر تعارف	مولانا بدر الاسلام قاسمی	۳۵
امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کی حکمرانی	مفتی محمد صادق حسین قاسمی	۴۰

جامعہ کی سرگرمیاں	مولانا سید فضیل احمد ناصری	۴۷

صریر خامہ

عصریات

سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

2014 سے پہلے یہی ملک تھا۔ یہی فضائیں۔ یہی روز وشب۔ یہی آدمی اور یہی فردِ بشر۔ مگر یکا یک ایسا کیا ہوگیا کہ وطن کی آب وہوا بدل گئی۔ موسموں کا انداز بدگیا۔ فضاؤں نے لب ولہجہ تبدیل کرلیا۔ نرمی کی جگہ گرمی، محبت کی جگہ نفرت، اتفاق کی جگہ افتراق، گل افشانی کی جگہ گردن زدنی، بہار کی جگہ خزاں، لالہ وگل کی جگہ خار وخس چمنستانِ وطن کی شناخت بن گیا۔ تشدد، تشدد اور صرف تشدد۔ زبان ایسی زہرآلود کہ ہم وطنوں اور ہم عصروں تک ہی محدود نہ رہی، بلکہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کی شانِ اقدس میں بھی گستاخانہ چل پڑی۔ شانِ رسالت میں بدقماشیوں کا یہ سلسلہ 2014 کے بعد سے کچھ ایسا بڑھا کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا ہے۔ اپنی ذات کی حد تک دشنام طرازی قابلِ برداشت تھی، مگر اس کا سلسلہ خاتم النبیین تک دراز کردیا گیا جو ہرگز قابلِ تسلیم نہیں ہوسکتا۔ حال ہی میں ایک پنڈت نے الہادی الامین علیہ التحیۃ والتسلیم کے خلاف جو زہرفشانی کی ہے اس سے ہر مسلمان کا سینہ چھلنی ہے۔ قہر تو یہ ہے کہ اب اس درد وکرب کا اظہار بھی جرمِ عظیم بن گیا۔ مدھیہ پردیش کے ایک مسلم کانگریسی نے صدائے احتجاج بلند کی اور احتجاجیوں کی طرف سے معمولی غلطی ہوگئی تو کانگریسی رکن کا کروڑوں کا مکان برابرِ زمین کردیا گیا۔ فرعونی بلڈوزر نے سات سال سے زیرِ تعمیر محل کو طاقت کے بل پر مسمار کردیا۔ ہندوستانی مسلمانوں نے کبھی بھی کسی غیر مسلم کے معبودوں کو برا بھلا نہیں کہا، مگر اللہ اور رسول کی شان میں گستاخیوں کا منہ زور طوفان ہے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ کاش مسلم ارکانِ پارلیمنٹ اس مسئلے پر متحد ہوکر اہانتِ رسول ومذہب پر قانون بنوانے کے لیے اڑ جاتے!! اپوزیشن جو مسلم ووٹروں کے سہارے ہی مضبوط حالت میں پہونچا ہے اسے بھی اس مسئلے پر سنجیدگی دکھانی تھی، مگر افسوس کہ ہر طرف سناٹا ہے۔ ہر جانب بے حسی ہے۔ ہر سو موت کی خاموشی ہے۔ کم از کم مسلم تنظیمیں ہی اس مسئلے میں چابک دستی دکھاتیں اور ارکانِ پارلیمنٹ سے مل کر اس مصیبت سے رستگاری کی کوئی سبیل نکالتیں تو بات کچھ بن سکتی تھی۔ کاش کہ اس پریشانی کا کوئی مستقل حل نکلے اور ہم اس جانب سے ہمیشہ کے لیے یکسو جائیں!!

❀❀❀

وطنِ عزیز نے اب ایک اور گل کھلایا۔ وقف ترمیمی بل سے ہر طرف کہرام مچا ہے۔ مسلمان پریشان ہیں کہ اس کی منسوخی کے لیے کیا شکل اپنائی جائے۔ علمائے کرام مسجدوں میں اس پر بیان کر رہے ہیں۔ متعدد مقامات پر جلسے اور پروگرام کر رہے ہیں۔ بل کے نقصانات سے ملت کو آگاہ کر رہے ہیں۔ ملّی تنظیمیں بل کے خلاف اپنی ناراضگی کا اظہار کر رہی ہیں۔ جب یہ قانون بنایا جانے لگا رہبرانِ قوم وملت اسی وقت سے اس کے شدید خلاف ہیں۔ اس کی خامیوں اور دوررس نقصانات سے اربابِ سیاست کو آشنا کرانے لگے۔ اس کا ثمرہ یہ ہے کہ پارلیمنٹ میں بل پیش ہوا تو حزبِ اختلاف نے اسے چلنے نہیں دیا۔ خوب ردوقدح کی۔ زبردست تنقید اور چست گرفت کی۔ بالآخر یہ بل اسٹینڈنگ کمیٹی کے حوالے ہو گیا۔ یہ کمیٹی دیکھے گی کہ اس کے مضمرات کیا ہیں؟ اپوزیشن کے پیش کردہ خدشات آیا صحیح ہیں یا غلط؟ اب دیکھیے اس کا تجزیہ کب آتا ہے اور اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ حقیقت تو یہی ہے کہ وقف ترمیمی قانون مسلمانوں کے قومی اثاثوں کو ہڑپنے کی ایک نئی چال ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم اپنی بچی کھچی طاقت سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ وقف کی زمین مسلمانوں کے پاس کتنی ہے؟ بی جے پی لیڈر پریم شکلا کا موقف ہے کہ وقف کے پاس اتنی زمین ہے کہ پچاس ممالک کے پاس بھی اتنی زمین نہیں۔ بھاجپائی لیڈر نے وقف بورڈ کو لینڈ جہاد بھی کہہ ڈالا اور یہ بھی کہا کہ یہ قانون اسی جہاد کو روکنے کے لیے لایا گیا ہے۔ یہ تو ان کی زبان ہوئی۔ سرکاری اعداد وشمار کے مطابق وقف بورڈ کے پاس کل زمین آٹھ لاکھ 72 ہزار ایکڑ ہے، جو ریلوے اور دفاع کے بعد تیسرے نمبر پر ہے۔ وقف کا پہلا قانون 1954 میں بنا۔ پھر 1995 میں نیا قانون لاکر پچھلے قانون کو منسوخ کر دیا گیا۔ 2013 میں بھی اس میں معمولی ترمیم کی گئی۔ یہ قانون وقف بورڈ کو وسیع اختیارات دیتا تھا۔ زعفرانی حکومت ان اختیارات کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ یہ قانون اگر منظور ہو گیا تو سارے اختیارات وقف بورڈ سے نکل کر ضلع کلکٹر کے ہاتھ چلے جائیں گے۔ ضلع کلکٹر جسے چاہے گا وقف کی زمین بنا دے گا اور جسے چاہے گا سرکاری زمین نامزد کر دے گا۔ اس قانون کی ایک شق یہ بھی ہوگی کہ وقف بورڈ کا سربراہ غیر مسلم ہوگا اور اس کے ممبران میں کم از کم دو غیر مسلم ضرور ہوں گے، جن کی تقرری ریاستی حکومتیں کریں گی۔ اس قانون کی رو سے ایک تبدیلی یہ بھی ہوگی کہ بورڈ میں خواتین کی تعداد مزید بڑھائی جا سکے گی۔ ظاہر ہے کہ اس کا نقصان مسلمانوں کو اس درجہ ہوگا، اس کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ ملک بھر میں 32 وقف بورڈ ہیں، مگر ان کی آمدنی محض 200 کروڑ روپے ہی ہے۔ حکومت چاہتی ہے کہ آمدنی کا یہ سلسلہ بھی بند کر دیا جائے:

ہائے یہ گردشِ دوراں مجھے لائی ہے کہاں

❀❀❀

نبی کریم ﷺ کی تاریخ ولادت
اور عید میلاد النبی کا تحقیقی جائزہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب زید مجدہم

حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب مدظلہ العالی ہر جمعہ جامعہ فاروقیہ کراچی کی مسجد میں بیان فرماتے ہیں۔ حضرت کے بیانات ماہ نامہ "الفاروق" میں شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، تاکہ "الفاروق" کے قارئین بھی مستفید ہوسکیں۔ (ادارہ)

الحمد لله نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونؤمن به، ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا وسندنا و مولانا محمداً عبده ورسوله، أرسله بالحق بشيرا ونذيرا، وداعياً إلى الله بإذنه و سراجاً منيرا۔ أما بعد: فأعوذ بالله من الشيطن الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم
﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (سورۃ الانبیاء، آیت: ۱۰۷)

وقال الله سبحانه وتعالیٰ: ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ (سورہ الم نشرح، آیت: ۴)

وقال الله سبحانه وتعالیٰ: ﴿إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (سورہ آل عمران، آیت: ۳۱)

میرے محترم بزرگو، بھائیو اور دوستو! ماہ ربیع الاول ہے اور ہر مسلمان جانتا ہے کہ اس ماہ میں سرور کائنات جناب رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی اور ساتھ ہی ہر مسلمان عام طور پر یہ بھی جانتا ہے کہ اسی ماہ میں آپ ﷺ کا وصال اور آپ کی اس دنیا سے روانگی ہوئی اور آپ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا۔

آپ ﷺ کی تاریخ ولادت کے بارے میں اختلاف ہے۔ چناں چہ آپ کی پیدائش کے حوالے سے زیادہ مشہور، مستند اور معتبر روایت آٹھ ربیع الاول کی ہے اور آپ کی وفات کے حوالے سے مشہور، معتبر

اور مستند روایت بارہ ربیع الاول کی ہے۔ چناں چہ جو بڑی عمروں کے لوگ ہیں وہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایک زمانے میں بارہ ربیع الاول کو بارہ وفات کہا جاتا تھا اور وہ اسی لیے کہا جاتا تھا کہ آپ ﷺ نے بارہ ربیع الاول کو اس دنیا سے پردہ فرمایا۔

"نبی کریم ﷺ کی تاریخ وفات 12 ربیع الاول ہے، اگر چہ تاریخ وفات میں کئی دوسرے اقوال بھی نقل کیے گئے ہیں۔ اور آپ ﷺ کی تاریخ ولادت کے بارے میں بھی متعدد اقوال نقل کیے گئے ہیں، جن میں سے مشہور چار قول ہیں۔

2 ربیع الاول، 8 ربیع الاول 15 ربیع الاول 12 ربیع الاول۔

(شرح النووی علی الجامع الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب قدر عمرہ ﷺ: 2/ 260)

اب ان چار تاریخوں میں سے دو تاریخوں کو اصحاب سیر نے اختیار کیا ہے، ایک 8 ربیع الاول ہے اور دوسری 12 ربیع الاول ہے، 12 ربیع الاول کی تاریخ کو اصحاب سیر نے محمد بن اسحاق کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

لیکن محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کی جو اپنی سیرت کی کتاب ہے، اس میں انہوں نے آپ ﷺ کی متعین تاریخ ولادت کا تذکرہ نہیں فرمایا ہے۔ (دیکھیے: السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق، مولد رسول اللہ ﷺ: 1/ 99)

جب کہ اکثر اصحاب سیر نے آپ ﷺ کی تاریخ ولادت کے بارے میں آٹھ ربیع الاول کو اختیار فرمایا ہے۔ چناں چہ علامہ طبری رحمہ اللہ اپنی کتاب "خلاصۃ سیر سید البشر" میں فرماتے ہیں:

ولد رسول الله ﷺ بمكة عام الفيل... في يوم الاثنين في شهر ربيع الاول، قيل: لليلتين خلتا منه، وقيل لثمان، وصححه كثير من العلماء، وقيل: لاثنتي عشرة ليلة، ولم يذكر ابن اسحاق غيره (خلاصۃ سیر سید البشر للطبری، الفصل الثاني في ذكر ميلاده ﷺ، ص:۹)

"شرح الزرقانی" میں ہے:

وقد اختلف في عام ولادته ﷺ، فالأكثرون على أنه عام الفيل... وكذا اختلف أيضاً في أيّ يوم من الشهر ... وقيل لثمان خلت منه، قال الشيخ قطب الدين القسطلاني: وهو اختيار اكثر اهل الحديث، ونقل عن ابن عباس وجبير بن مطعم: وهو اختيار أكثر من له معرفة بهذا الشأن، واختاره الحميدي، وشيخه، ابن حزم، وحكى القضاعي في "عيون المعارف" اجماع أهل الزيج عليه، ورواه الزهري عن محمد بن جبير بن مطعم، وكان عارفا بالنسب وأيام العرب، أخذ ذلك

عن أبيه جبير "(شرح العلامة الزرقاني، قد اختلف في عام ولادته ﷺ 1: /248-247)

اسی طرح علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنے شیخ امام دمیاطی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے 10 ربیع الاول کے قول کی تصحیح کی ہے۔ فرماتے ہیں: "قال شيخنا ابو محمد الدمياطي في السيرة من تاليفه عن أبي جعفر محمد بن علي قال: ولد رسول الله ﷺ يوم الأثنين لعشر ليال خلون من ربيع الاول، وكان قدوم أصحاب الفيل قبل ذلك في النصف من المحرم وقال ابو معشر نجيح: ولد لاثنتي عشرة ليلة خلت من ربيع الاول، قال الدمياطي: والصحيح قول أبي جعفر (السيرة النبوية للذهبي، مولده المبارك ﷺ 1: /7)

متأخرین اصحاب سیر علماء میں سے بھی اکثر حضرات نے آپ ﷺ کی تاریخ ولادت میں 12 ربیع الاول کا قول اختیار نہیں کیا، بلکہ 8 یا 9 ربیع الاول کے قول کو اختیار کیا ہے اور اس کو ترجیح دی ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ اپنی کتاب "سیرت مصطفی ﷺ" میں لکھتے ہیں: سرور عالم، سید ولد آدم، محمد مصطفی، احمد مجتبیٰ ﷺ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم وشرف وکرم واقعہ فیل کے پچاس یا پچپن روز کے بعد بتاریخ 8 ربیع الاول یوم شنبہ مطابق ماہ اپریل 570 عیسوی مکہ مکرمہ میں صبح صادق کے وقت ابو طالب کے مکان میں پیدا ہوئے۔

ولادت باسعادت کی تاریخ میں مشہور قول تو یہ ہے کہ حضور پرنور ﷺ 12 ربیع الاول کو پیدا ہوئے، لیکن جمہور محدثین اور مؤرخین کے نزدیک راجح اور مختار قول یہ ہے کہ حضور ﷺ 8 ربیع الاول کو پیدا ہوئے، ابن عباس اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے اور اسی قول کو علامہ قطب الدین قسطلانی نے اختیار کیا ہے۔ (سیرت مصطفی ﷺ، ولادت باسعادت: 1/ 52)

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ اپنی کتاب "سیرۃ النبی ﷺ" میں لکھتے ہیں:

تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے، جس میں انہوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت 9 ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق 20 اپریل 571ء میں ہوئی تھی۔ (سیرت النبی ﷺ: 1/ 126-125)

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری اپنی کتاب "رحمۃ للعالمین" میں لکھتے ہیں:

ہمارے نبی ﷺ موسم بہار میں دوشنبہ (پیر) کے دن 9 ربیع الاول سنہ 1 عام الفیل مطابق 22 اپریل 571ء کے مطابق یکم جیٹھ 628 بکرمی کو مکہ معظّمہ میں بعد از صبح صادق وقبل از طلوع نیر عالم تاب پیدا ہوئے۔ (رحمۃ للعالمین: 1/ 47)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے ”احسن الفتاوی“ میں حساب کے ذریعے آپ ﷺ کی تاریخ ولادت کو ثابت کیا ہے۔

حساب کر کے فرماتے ہیں: ولادت مبارکہ بالاتفاق دوشنبہ 2 یا 9 ربیع الاول، مغلطائی نے اول کو ترجیح دی ہے، مگر حضرت عبداللہ بن عباس و جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم سے 8 ربیع الاول منقول ہے اور جمہور محدثین و مؤرخین کا یہی مختار ہے، حسابی قاعدہ میں ایک دن کا فرق معمولی بات ہے۔(احسن الفتاوی:2)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ سے ”کفایت المفتی“ میں منقول ہے: حضور اکرم ﷺ کی تاریخ ولادت میں پہلے سے مورخین واہل سیر کا اختلاف ہے، دوشنبہ کا دن اور ربیع الاول کا مہینہ تو متفق علیہ ہے، مگر تاریخ کی تعیین میں متعدد اقوال ہیں، کسی نے دوسری، کسی نے تیسری، کسی نے آٹھویں، کسی نے نویں، کسی نے بارہویں تاریخ بتائی ہے۔

از روئے حساب جو جانچا گیا تو 9 تاریخ والا قول زیادہ قوی ثابت ہوا، اسی وجہ سے علامہ شبلی نعمانی مرحوم اور مولانا قاضی محمد سلیمان مرحوم نے اسی قوی اور راجح قول کو اختیار فرمایا ہے، لیکن عوام میں بارہویں تاریخ والے قول کی شہرت زیادہ ہوگئی تھی، اس بنا پر عوام بارہویں ہی کو یوم ولادت سمجھتے ہیں اور سمجھتے رہے ہیں۔(کفایت المفتی، کتاب العقائد، آٹھواں باب اختلافی مسائل:1/147)

خلاصہ یہ نکلا کہ آپ ﷺ کی تاریخ ولادت کے بارے میں اکثر محقق علماء و مؤرخین نے 8 یا 9 ربیع الاول کے قول کو اختیار کیا ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے، نہ کہ 12 ربیع الاول کے قول کو اور پھر جیسے تاریخ ولادت کے بارے میں 12 ربیع الاول کا قول ہے، اسی طرح تاریخ وفات کے بارے میں بھی 12 ربیع الاول کا قول ہے۔

تو اب ناواقف مسلمانوں کا 12 ربیع الاول کو تاریخ ولادت کے طور پر متعین کر کے اس دن اس انداز سے خوشی منانا، جلوس نکالنا اور سینکڑوں غیر شرعی امور کا ارتکاب کرنا جس کا شریعت میں نام ونشان تک نہیں۔ یہ کیسے درست ہوسکتا ہے؟

اگر مان لیا جائے کہ 12 ربیع الاول ہی تاریخ ولادت ہے اور دوسری جانب یہی دن تاریخ وفات بھی ہے اور آپ ﷺ کا اس دنیا سے پردہ فرما جانا کائنات کا سب سے بڑا غم ہے تو پھر یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ 12 ربیع الاول میں صرف اسباب خوشی کو ذہن میں رکھ کر عید میلاد النبی ﷺ منعقد کی جائے، جلوس نکالے جائیں اور وہ جلوس بھی ایسے جن میں سینکڑوں طرح کی خرافات و بدعات پائی جاتی ہوں، جن میں شاہ راہوں، سڑکوں کو بند کر کے لوگوں کو پریشانی میں ڈالنا، ڈھول کی تھاپ پر رقص کرنا اور اپنی ان ساری

خرافات کو نہ صرف درست سمجھنا، بلکہ عین دین سمجھنا، بلکہ اگر کوئی مسلمان ان خرافات کا حصہ نہ بنے تو اس پر گستاخ رسول کے طعنے کسے جاتے ہیں اور اس مہینے میں ان ساری خرافات کے ارتکاب پر عشق رسول کا لیبل لگایا جاتا ہے۔

محفل میلاد کی حقیقت اور حکم

اس میں شک وشبہ کی ادنی گنجائش بھی نہیں ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ عشق وعقیدت اور محبت عین ایمان ہے اور آپ ﷺ کی ولادت سے لے کر وفات تک زندگی کے ہر شعبہ کے صحیح حالات وواقعات اور آپ ﷺ کے اقوال وافعال کو پیش کرنا باعث نزول رحمت خداوندی ہے اور ہر مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کی زندگی کے حالات معلوم کرے اور ان کو مشعل راہ بنائے، سال کے ہر دن میں کوئی وقت ایسا نہیں جس میں آپ کی زندگی کے حالات بیان کرنے اور سننے ممنوع ہوں، یہ بات محل نزاع نہیں ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا ربیع الاول کی، بارہویں تاریخ کو مقرر کرکے، اس میں میلاد منانا، محفل اور مجلس منعقد کرنا، جلوس نکالنا یا اسی دن کو مخصوص کر کے فقراء اور مساکین کو کھانا کھلانا وغیرہ آپ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خیر القرون سے ثابت ہے؟

آپ ﷺ نبوت کے بعد تیئس سال حیات رہے اور پھر تیس سال خلافت راشدہ کے گزرے ہیں اور پھر ایک سو دس ہجری تک حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور رہا ہے، کم وبیش دو سو بیس برس تک اتباع تابعین کا زمانہ تھا، عشق ان میں کامل تھا، محبت ان میں زیادہ تھی، آپ ﷺ کا احترام اور تعظیم ان سے بڑھ کر کون کرسکتا ہے؟ تو کیا آج کا ناواقف مسلمان عشق رسول کے نام پر اس مہینے میں میلاد وغیرہ جن امور کا ارتکاب کر رہا ہے کیا وہ خیر القرون سے اس کو ثابت کرسکتا ہے؟ نہیں کرسکتا اور نہ قیامت تک کرسکے گا، اگر یہ ثواب کے کام ہوتے تو پھر یہ کام خیر القرون میں کیوں نہیں ہوئے؟

محفل میلاد کا تاریخی پس منظر

ربیع الاول کے مہینے میں جاہل مسلمانوں کا میلاد کے نام پر خرافات کا ارتکاب کرنا، اس کی آخر ابتدا کہاں سے ہوئی؟

عجیب بات ہے کہ جن خرافات کو آج دین سمجھا جارہا ہے، جس کی اہمیت نماز، روزے سے بھی زیادہ سمجھی جاتی ہے ان خرافات کی ابتدا کو اگر تلاش کیا جائے تو چھ صدیوں تک تو ان خرافات کا مسلمانوں میں

رواج نہ تھا، چھٹی صدی، ہجری میں ایک بادشاہ گزرے ہیں جن کا نام مظفر الدین تھا، اوران کی دینی حالت کے بارے میں آتا ہے: "كان ملكا مسرفا يأمر علماء زمانه أنه يعملوا باستنباطهم واجتهادهم وأن لا يتبعوا لمذهب غيرهم حتى مالت إليه جماعة من العلماء وطائفة من الفضلاء واحتفل لمولد النبي ﷺ في ربيع الاول، وهو من احدث من الملوك هذا العمل (القول المعتمد في عمل المولد)

وہ ایک مسرف بادشاہ تھا، علماء زمانہ سے کہا کرتا تھا کہ وہ اپنے استنباط اوراجتہاد پر عمل کریں اور غیر کے مذہب کی پیروی نہ کریں۔

حتی کہ (دنیا پرست) علماء اور فضلا کی ایک جماعت اس کی طرف مائل ہوگئی اور وہ ربیع الاول میں میلاد منعقد کیا کرتا تھا، بادشاہوں میں وہ پہلا شخص ہے جس نے یہ بدعت گھڑی ہے۔

"وفیات الاعیان" میں ابن خلکان رحمہ اللہ نے مظفر الدین بادشاہ کے ربیع الاول میں میلاد منعقد کرنے کی پوری تفصیل ذکر فرمائی ہے۔

فرماتے ہیں: "وأما احتفاله بمولد النبي ﷺ... وهو أن أهل البلاد كانوا قد سمعوا بحسن اعتقاده فيه، فكان في كل سنة يصل إليه من البلاد القريبة من إربل... ولا يزالون يتواصلون من المحرم إلى أوائل شهر ربيع الاول ويتقدم مظفر الدين بنصب قباب من الخشب... فإذا كان أول صفر زيبوا تلك القباب بأنواع الزينة الفاخرة المستجملة، وقعد في كل قبة جوق من المغاني وجوق من أرباب الخيال ومن أصحاب الملاهي... فكان مظفر الدين ينزل كل يوم بعد صلاة العصر ويقف على قبة قبة إلى أخرها، ويسمع غناءهم ويتفرج على خيالاتهم بما يفعلونه في القباب... هكذا يعمل كل يوم إلى ليلة المولد وكان يعمله سنة في ثامن الشهر، وسنة في الثاني عشر لأجل الاختلاف الذي فيه، فإذا كان قبل المولد بيومين أخرج من الإبل والبقر والغنم شيئاً كثيراً زائداً عن الوصف وزفها بجميع ماعنده من الطبول والمغاني والملاهي حتى يأتي بها إلى الميدان، ثم يشرعون في نحرهم، وينصبون القدور ويطبخون الألوان المختلفة، فإذا كانت ليلة المولد عمل السماعات بعد أن يصلي المغرب في القلعة، ثم ينزل وبين يديه من الشموع المشتعلة شيء كثير..." (وفیات الاعیان، رقم الترجمۃ: 547، مظفر الدین صاحب اربل: 4/118-117)

معلوم ہوا کہ ربیع الاول میں عید میلا النبی کے نام پر جو ناچ گانا، جلوس، چراغاں، طرح طرح کے کھانوں کا اہتمام جو عشق رسول اور دین کے نام پر کیا جاتا ہے اس کی اصل آپ ﷺ یا صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، فقہاء ومحدثین سے نہیں، بلکہ یہ چھٹی صدی کے ایک بادشاہ کا طریقہ ہے۔ اور اس مظفر الدین بادشاہ کے لیے جس دنیا پرست مولوی نے محفل میلاد کے جواز پر مواد اکٹھا کر دیا تھا اس کا نام عمر بن دحیہ تھا۔

اس عمر بن دحیہ کے بارے میں "لسان المیزان" میں ہے: **قال الحافظ الضیاء: لم یعجبنی حاله، کان کثیر الوقیعة فی الأئمة** یہ ائمہ دین کی شان میں بہت گستاخی کیا کرتا تھا۔ "لسان المیزان" میں ان کے بارے میں ایک اور جگہ ہے: "**قال ابن النجار: رأیت الناس مجمعین علی کذبه وضعفه** ابن النجار کہتے ہیں: کہ میں نے لوگوں کو اس کے جھوٹ اور ضعف پر متفق پایا۔ (لسان المیزان: 6/86)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: "**کان کثیر الوقیعة فی الأئمة وفی السلف من العلماء، خبیث اللسان أحمق، شدید الکبر، قلیل النظر فی أمور الدین، متهاونا**" (لسان المیزان: 6/850) وکذا في سیر أعلام النبلاء، رقم الترجمة: 248، ابن دحیة: 22/395-394)

یعنی یہ ائمہ دین اور علماء کی شان میں بہت گستاخی کرتا تھا، گندی زبان کا مالک تھا، بڑا احمق اور متکبر تھا، دین کے کاموں میں بڑا بے پرواہ اور سست تھا۔

اب ان خرافات میں مبتلا ہر مسلمان کے لیے سوچنے کا مقام ہے کہ اس کے لیے دین کے معاملے میں اور جس کام کو وہ ثواب سمجھ کر کر رہا ہے اس میں اس کے لیے آپ ﷺ، صحابہ کرام، خیر القرون کا اتباع ضروری ہے یا ایک نفس پرست بادشاہ اور زر پرست مولوی کی اتباع کرنا ضروری ہے؟! مروجہ طریق پر محفل میلاد کی فقہاء نے سختی سے تردید فرمائی ہے۔ "ابن الحاج المالکی رحمہ اللہ" نے اپنی کتاب "المدخل" میں کئی صفحات میں اس مروجہ محفل میلاد کی تردید فرمائی ہے اور اس کے مفاسد شمار فرمائے ہیں۔

شروع میں فرماتے ہیں: "**ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلك من أکبر العبادات وإظهار الشعائر ما یفعلونه فی شهر ربیع الأول من المولد وقد احتوی علی بدع ومحرمات جملة.**"

لوگوں کو ان بدعتوں میں سے جن کو وہ بڑی عبادت سمجھتے ہیں اور جن کے کرنے کو وہ شعائر اسلامیہ کا اظہار سمجھتے ہیں وہ مجلس میلاد ہے جس کو وہ ماہ ربیع الاول میں کیا کرتے ہیں، یہ مجلس بہت سی بدعات او رمحرمات پر مشتمل ہوتی ہے۔ (المدخل لابن الحاج المالکي، فصل في المولد: 2/2)

آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنا یہ ہے آپ ﷺ سے محبت کا حقیقی تقاضا، چناں چہ زندگی کا جو رخ بھی ہو، زندگی کا جو راستہ بھی ہو، زندگی کا جو مرحلہ بھی ہو اس میں رسول اللہ ﷺ کے طریقوں کو اختیار کرنا یہ ایک امتی کی ذمے داری ہے، اور آپ ﷺ کے طریقے میں غلبہ ہے، اس میں چین ہے، اسی میں سکون ہے، اس میں کام یابی ہے۔

آج جو ہمارے مسائل ہیں، آج ہم جن مشکلات میں مبتلا ہیں، ہر شخص پریشان ہے اور پریشانیاں ہیں کہ وہ گھٹتی نہیں ہیں، پریشانیاں ہیں کہ وہ کم نہیں ہوتیں، بڑھ رہی ہیں، ہر گھر کا یہی حال ہے، ہر مرد وعورت کا یہی حال ہے، جس کے پاس آپ بیٹھیں اور اس سے حال احوال لیں وہ آپ کو ایسی ایسی پریشانیاں سنائے گا کہ آپ بھی پریشان ہو جائیں گے۔ یہ کیوں ہے؟ یہ اس لیے ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا ہوا ہے، ہم نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع سے منھ موڑا ہوا ہے، اگر آدمی اللہ کے احکام پر عمل کرنے لگے، اذان ہوتی ہے اللہ اکبر، اللہ اکبر...... حی علی الصلوٰۃ، آؤ نماز کی طرف۔ حی علی الفلاح، آؤ کام یابی کی طرف، فجر میں اذان ہو رہی ہے، ظہر میں اذان ہو رہی ہے، عصر میں اذان ہو رہی ہے، مغرب میں اذان ہو رہی ہے، عشاء میں اذان ہو رہی ہے۔

اور الحمدللہ ہمارے ملک میں تو اذانیں لاؤڈ اسپیکر پر ہوتی ہیں، بہت سے ممالک دنیا میں ایسے ہیں جہاں لاؤڈ اسپیکر پر اذان دینے کی اجازت نہیں، لیکن ہمارے ملک میں اذانیں لاؤڈ اسپیکر پر ہوتی ہیں۔

ہمارا ایمان اتنا کم زور ہو چکا ہے اور ہماری آپ ﷺ کی اتباع اتنی کم زور ہو چکی ہے کہ اگر میں کہوں کہ ہمیں اذان کی آواز آتی ہی نہیں، جیسے آدمی بے حس ہو جاتا ہے، اس کی توجہ ادھر ہے ہی نہیں، میں سمجھانے کے لیے کہتا ہوں کہ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ آپ میری بات سن رہے ہیں، میری طرف متوجہ ہیں، پنکھا چل رہا ہے اور پنکھے کی آواز ہوتی ہے، لیکن جب آپ میری طرف متوجہ ہوں گے، میری بات سن رہے ہوں گے تو آپ کو پنکھے کی آواز نہیں آئے گی، حالاں کہ پنکھے کی آواز ہے اور جب میں آپ سے کہوں کہ پنکھا چل رہا ہے تو یکدم آواز آنی شروع ہو جائے گی، اب آپ کی توجہ ادھر ہو گئی، ایسے ہی جیسے پنکھے کی آواز پہلے بھی ہے، بعد میں بھی ہے اور بھی بہت سی مثالیں اس کی ہیں، ایسے ہی اذان کی آواز ہے، ہماری توجہ نہیں ہے، جب ہماری توجہ نہیں ہے تو ہمیں آواز آ ہی نہیں رہی، حالاں کہ نمازوں کے اوقات کی فکر بھی باعث اجر وثواب ہے کہ آدمی کو معلوم ہو کہ فلاں نماز کا وقت کب داخل ہوتا ہے، فجر کی نماز کا وقت کب ختم ہوتا ہے، ظہر کا وقت کب داخل اور کب ختم ہوتا ہے، عصر کا وقت کب ختم ہوتا ہے، مغرب کا وقت کب ختم ہوتا ہے، عشاء کی نماز کا وقت کب شروع ہوتا ہے، کب تک رہتا ہے۔

ان چیزوں کا علم مسلمان کی ذمہ داری ہے، کیوں؟ اس لیے کہ نماز فرض ہے اور ایسا فرض ہے کہ جس کے اندر کوئی گنجائش نہیں، ہر حال میں فرض ہے۔

میرے دوستو! اسی طرح آپ ﷺ کی تعلیمات ہیں، آپ کے ساتھ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم آپ ﷺ کی جتنی شباہت اختیار کر سکتے ہیں کریں، آج کیسے کیسے فکر اختیار کرنے والے، کیسے کیسے گناہوں کی زندگی اختیار کرنے والے ان کی نقل اتارنا باعث فخر سمجھا جاتا ہے، بھائی! آپ نے بال ایسے کیوں بنائے ہیں؟ تو فوراً جواب آتا ہے اس وقت فیشن یہ چل رہا ہے۔ آپ نے کپڑے ایسے کیوں پہنے ہیں؟ تو جواب آتا ہے کہ اس لیے کہ فلاں ایسے پہنتا ہے۔ آپ نے پھٹی ہوئی پتلون کیوں پہنی ہے؟ کہتا ہے نہیں صاحب! پھٹی ہوئی نہیں ہے، یہ فیشن ہے، فلاں ایسے پہنتا ہے۔ حالاں کہ جن کی نقل اتاری جارہی ہے وہ فاسق وفاجر لوگ ہیں، لیکن آج ان کی اتباع میں پاگل ہوئے جارہے ہیں اور کسی سے آدمی کچھ کہہ دے تو لوگ لڑنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں لیکن میرے دوستو! محمد رسول اللہ ﷺ جن کے ہم پر احسانات ہی احسانات ہیں، آج ان کی نقل اتارنا معیوب ہے، آج ان کی اتباع کرنا معیوب ہے۔

آپ ﷺ سے محبت کا تقاضا یہ ہے، آپ سے عقیدت کا تقاضا یہ ہے کہ جو دین آپ لے کر آئے ہیں اس دین پر مضبوطی سے عمل کیا جائے اور یہ بات یاد رکھیں کہ آپ ﷺ کے طریقوں اور آپ کی اتباع میں دنیا وآخرت کی کام یابی ہے اور غیروں کے طریقوں میں دنیا وآخرت کی ناکامی ہے، آج جو ہمارے گھروں میں مسائل ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے اپنا ناطہ اور رشتہ اللہ تعالیٰ سے اور اللہ کے رسول ﷺ سے توڑ رکھا ہے۔

میرے دوستو! یہ ماہ ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ آپ ﷺ کی کامل اتباع کی جائے، کامل پیروی کی جائے، یہی آپ سے عشق اور آپ سے محبت کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ،
وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

……✦……

قسط (۱)

امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری

اور علوم وفنون میں آپ کی جامعیت

مولانا محمد صغیر پرتاپ گڑھی

استاذ حدیث جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ۔ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ ۔ اَمَّا بَعۡدُ!

تمہید

ولیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

آیت من آیات اللہ، امام العصر فرید الدہر خاتم المحدثین والفقہاء متکلم اسلام حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (مولود: ۱۲۹۲ھ۔ متوفی: ۱۳۵۲ھ) اسلام کی ان یکتا ونابغۂ روزگار ہستیوں میں سے ایک ہیں، جو اسلام کی حقانیت کی علامت ہیں اور جن کے تبحر علمی کی نظیر نہ تو بقول علامہ اقبالؒ ''آپ سے پہلے کے تقریباً پانچ سو سال میں امت نے دیکھی'' اور نہ آپ کے بعد اس پایہ کا کوئی عالم ابھی تک پیدا ہوا۔

میری اس تحریر کا موضوع ''حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور علوم وفنون میں آپ کی جامعیت'' ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ موضوع کا حق ادا کرنا اور آپ کے علمی وعملی کمالات کا احاطہ کرنا دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے ۔ علمی وعملی کمالات میں جو چیز حضرت علامہ کو بڑے بڑے علماء، مفسرین، محدثین، فقہاء، اصولیین، متکلمین اور ادباء وبلغاء سے ممتاز کرتی ہے اور آپ کا وہ تفوق جس کی وجہ

سے آپ یکتا نظر آتے ہیں، وہ ہے مختلف ''علوم وفنون'' میں آپ کی جامعیت۔علوم شرعیہ وعقلیہ میں کوئی علم ایسا نہیں، جس میں آپ کو کمال اور مہارت تامہ حاصل نہ ہو، ضبط واتقان، وسعت مطالعہ، دقت نظر، جدت فکر، کثرت معلومات، دلائل کا تجزیہ ومحاکمہ کرنے کی صلاحیت، ذکاوت وذہانت، فہم وفراست تبحر علم اور استحضار میں بلا مبالغہ اپنی نظیر آپ تھے، علمائے متقدمین ومتأخرین میں ایسی جامع شخصیتیں شاذ ونادر ہی پائی جاتی ہیں۔

ایک طرف آپ جلیل القدر محدث تھے، تو دوسری طرف تفسیر، فقہ، اصول فقہ، علم کلام وعقائد، تصوف، اسرار شریعت وحکم، معانی وبیان، ادب وبلاغت، تاریخ، علم کتب سابقہ، طب، علم الحیوانات والنباتات، منطق وفلسفہ اور ہیئت قدیم وجدید وغیرہ سب ہی علوم وفنون میں آپ محققانہ اور ناقدانہ بصیرت رکھتے تھے۔ بلاشبہ آپ اپنے علم وفضل، وسعت مطالعہ، دقت نظر، غیر معمولی قوت حافظہ اور حفظ واتقان کے باعث عبقری تھے، آپ کے اوصاف وکمالات پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور انشاء اللہ رہتی دنیا تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا، لیکن حق یہ ہے کہ حق اب بھی ادا نہ ہوا۔آپ کی اسی جامعیت کو بیان کرتے ہوئے آپ کے شاگرد خاص حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

''عموماً حال یہ ہے کہ لوگ ایک فنی ہوتے ہیں، اگر کسی کو حدیث وتفسیر سے اشتغال ہے تو شعر وادب میں زیادہ درخور نہیں، اگر شعر وادب میں کمال حاصل ہے، تو منطق سے بے بہرہ ہے۔اگر یہ سب کچھ ہے تو فقہ سے مناسبت نہیں اور اگر ہے تو معلومات صرف اپنے فقہی مسلک کے احکام اور ان کے دلائل وبراہین تک محدود ہیں، دوسرے فقہی مسلک اور ان کے ماخذ پر نگاہ نہیں ہوتی ہے۔مطالعہ، درسیات اور ان کی شروح وحواشی تک محدود ہوتا ہے، مخطوطات کی دنیا ان کی دسترس سے باہر ہوتی ہے، لیکن اللہ تعالی نے حضرت الاستاذ کو ایسی جامعیت عطا فرمائی تھی کہ اس کی نظیر نہیں۔(بلاشبہ) آپ حفظ حدیث میں حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی، قسطلانی، کتب قدیمہ کے علم وتبحر میں حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم، علم معانی وبیان میں سعد الدین تفتازانی اور جار اللہ زمخشری، منطق وفلسفہ میں ملا محب اللہ بہاری اور صدر الدین شیرازی، عربی میں حافظ اور بدیع الزماں ہمدانی اور فارسی شعر وسخن میں خاقانی وانوری کے ہم پایہ وہمسر تھے۔'' (تصویر انور، ص: ۵۰-۳۳۷، ملخصاً)

آپ کی اسی خصوصیت کو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دار العلوم دیوبند ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں: ''حضرت کا درسِ حدیث محض حدیث تک محدود نہ تھا، بلکہ فقہ، تاریخ، ادب، کلام، فلسفہ، منطق، ہیئت، ریاضی، سائنس الغرض تمام علوم جدیدہ وقدیمہ پر مشتمل ہوتا۔اسلامی علوم

وفنون کے دائرے کا شاید ہی کوئی علم یا فن ہوگا، جس سے آپ کو دلچسپی نہ تھی اور ہر ایک علم وفن کے اصولی مسائل کے متعلق کوئی خاص تحقیقی نظریہ آپ نہ رکھتے ہوں، بلکہ عہد حاضر کے جدید کارآمد علوم کا بھی کافی ذخیرہ آپ کے پاس موجود تھا۔

''حضرت الاستاذ کے علم کو دیکھو تو وہ ایک دریائے ناپیدا کنار نظر آتا تھا کہ جس فن اور جس مسئلہ میں گفتگو کی جائے تو یہ محسوس ہوتا تھا کہ شاید انہوں نے ساری عمر اسی مسئلہ کی کھوج میں گذاری ہے اور اس کے مالہ وما علیہ میں عمر بھر لگے رہے۔ چنانچہ زیر بحث مسئلہ کا روایتی اور درایتی عقلی اور نقلی اور اس کا مالہ وما علیہ اس انداز سے ارشاد فرماتے کہ جیسے اس مسئلہ کے سوا آپ کو، کسی اور مسئلہ سے سروکار ہی نہیں ہے۔ پھر نہ صرف دینی فنون کے وہ علوم متداولہ جن کی درس وتدریس اور فکر ومطالعہ ہمہ وقت آپ کا مشغلہ تھا، بلکہ ایسے غیر معروف علوم وفنون جن میں شغل تو دور کی بات ہے، ان سے تعلق بھی آپ کی زندگی میں محسوس نہ ہوتا تھا، حتی کہ علم رمل اور جفر اور فن نجوم وغیرہ میں بھی تبحر کی وہ شان محسوس ہوتی تھی کہ شاید آپ نے عمر، ان ہی فنون کی تفتیش میں گذاری ہے۔

''درس ترمذی و بخاری میں صرف حدیثی بحثیں ہی نہیں آتی تھیں اور حدیث ہی کے دقائق نہیں کھلتے تھے، بلکہ فقہ، تفسیر، کلام، اصول، احسان وتصوف حتی کہ علوم معقولہ فلسفہ ومنطق، ریاضی وہندسہ اور فن طب تک کے مسائل پر بھی اسی تبحر اور تفقہ کی شان سے کلام ہوتا تھا۔

''ادبیت اور علوم عربیت پر قدرت کا یہ عالم تھا کہ بے تکان عربی میں تقریر فرماتے تھے، عربی شاعری میں بھی ید طولی حاصل تھا، دارالعلوم میں جب کبھی انعامی جلسے یا مؤقر افراد کے آنے پر خیر مقدم کے جلسے ہوتے تھے، تو حضرت بھی اپنے عربی قصائد سے سامعین کو محو حیرت بنا دیا کرتے تھے۔''

(نقش دوام: ۱۵۲۔ تصویر انور: ۲۸، ۳۲، ۱۰۲، ۲۶۹۔)

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی آپ کے بارے میں فرماتے تھے:

''آپ اپنی مثال آپ تھے، آپ کا کوئی ہم سر نہ تھا، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، بحر مواج اور سراج وہاج تھے، موجودہ زمانے میں نہ دوسروں کی آنکھوں نے ان کی نظیر دیکھی اور نہ خود انہوں نے۔

''ماہرین فن، اور ناقدین انہیں ''آیۃ من آیات اللہ'' کہتے ہیں۔ اور یہ کہ: ''وہ پورے عالم پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک حجت ہیں''۔ (مقدمہ عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسی علیہ السلام از علامہ محمد یوسف بنوریؒ)

نیز آپ کی وفات کے بعد تعزیتی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''جب بھی آپ سے دقیق ترین مسائل کے بارے میں سوال کیا جاتا جن کو ذہین ومتبحر علماء تک حل

نہیں کر سکتے ،تو آپ فی البدیہہ بغیر غور وفکر کے جواب مرحمت فرماتے ،محسوس ہوتا کہ ایک طویل عرصہ سے ان مشکلات کوحل کر کے مطمئن بیٹھے ہیں،حقیت یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ کے علم میں ایسی گہرائی وگیرائی عطا فرمائی تھی جو جملہ علوم کی مشکلات کو محیط تھی۔

''لوگوں میں مشہور ہو گیا ہے کہ آپ قوت حافظ ،شب وروز کی پابندیٔ مطالعہ اور تبحر علمی میں عدیم المثال اور یکتائے روز گار ہیں،لیکن میرے نزدیک آپ کی سب سے بڑی خصوصیت جس میں آپ طاق ہیں وہ یہ ہے کہ آپ کوعلوم کی روح اور حقیقت کا سراغ مل گیا ہے اور یہی علم کی غایت اور انتہا ہے۔

''اگر آج مجھ سے کوئی پوچھے کیا تم نے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کو دیکھا ہے؟ حافظ تقی الدین ابن دقیق العیدؒ سے ملاقات کی ہے؟ سلطان العلماء عزّ الدین ابن عبد السلامؒ کی زیارت کی ہے؟ تو اگر میں جواب میں یہ کہوں کہ ہاں میں اس میں کامیاب ہوں،تو تشبیہ واستعارہ کی دنیا میں سچا گردانا جاؤں گا اور اس میں کوئی تعجب نہیں، کیوں کہ امت کے ان بزرگوں کی تمام خصوصیات وامتیازات کے ساتھ آپ متصف ہیں۔اگر زمانہ آپ کو ان مبارک صدیوں میں وجود بخشتا تو آپ انہی مبارک ہستیوں کے طبقے اور زمرے میں شمار ہوتے ،اس لئے مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ آج حافظ ابن حجرؒ، حافظ ابن دقیق العیدؒ اور سلطان العلماءؒ دنیا سے رخصت ہو گئے اور ہم ان کے علوم وبرکات سے استفادہ کرنے سے محروم ہو گئے۔'' (نفحۃ العنبر فی حیاۃ الشیخ انور،ص:۳۳)

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی آپ کے علمی امتیاز وتفوق پر کلام کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''جب متونِ حدیث پر کلام فرماتے تو یہ معلوم ہوتا کہ بخاری اور مسلم بول رہے ہیں، جب فقہ الحدیث پر کلام کرتے تو محمد بن حسن شیبانی معلوم ہوتے اور جب حدیث کی بلاغت پر کلام فرماتے تو تفتازانی اور جرجانی معلوم ہوتے اور جب شریعت کے اسرار بیان فرماتے تو ابن عربی اور شَعرانی معلوم ہوتے۔'' (تصویر انور:۳۱۰)

محدث کبیر ومحقق عظیم شیخ عبد الفتاح ابو غدہ ''تراجم من ستۃ فقہاء العالم الاسلامی فی القرن الرابع عشر'' میں آپ کی خصوصیات اور اسلامی علوم میں آپ کے امتیازات کو بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''علم کے حوالے سے تبحر وامامت ،علوم قرآن وسنت میں گہرائی وگیرائی اور اس میں بے پناہ معلومات کا استحضار، فقہ، اصول،فن اسماء الرجال ، جرح وتعدیل وغیرہ مختلف علوم وفنون میں کمال ،مثلاً تاریخ ،علم وادب ،منطق ،علوم عربیت،علوم ریاضی ، اسی کے ساتھ صلاح وتقویٰ ، زہد وعبادت جو اکثر ہندوستانی علماء کی زندگی کا جوہرِ گراں مایہ واصل اصیل ہے، آپ کی تمام تصانیف وتقریرات میں ان علوم کا گہرا رنگ ہے۔'' (ص:۴۸)

حضرت مولانا منظور نعمانیؒ کا یہ اعتراف بجا طور پر حق ہے کہ:''حضرت ممدوح کا خاص امتیاز علوم کی

جامعیت تھی اور وہ بھی ایسی جامعیت کی اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کس علم میں حضرت کی مہارت اور مناسبت نسبتاً زیادہ تھی۔'' (تصویر انور: ۳۱۳)

ساتھ ہی خود علامہ کا یہ اعلان بھی سماعت فرمائیں: ''میں کسی فن میں کسی کا مقلد نہیں ہوں، بجز ''فقہ'' کے کہ اس میں ابوحنیفہ کی تقلید کرتا ہوں۔'' (نوادرات: ۸)

یہی وہ امتیازات تھے کہ جن کو دیکھ کر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ نے آپ کے بارے میں فرمایا تھا: ''امت مسلمہ میں آپ کا وجود اس بات کی نشانی ہے کہ اسلام دین برحق ہے''۔

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم سادس مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانیؒ فرماتے تھے: ''آپ زمین پر چلتے پھرتے کتب خانہ ہیں''۔

نیز فرمایا کہ: '' آپ ثقہ، نیک، متقی، حافظ، حجہ، مفسر، محدث، علوم عقلیہ ونقلیہ کے بحر ناپید کنار اور مشکل ترین مسائل میں تحقیق کے امام ہیں''۔

علامہ سید سلیمان صاحب ندویؒ کی رائے آپ کے بارے میں یہ تھی: '' آپ کی مثال اس سمندر جیسی ہے جس کی اوپر کی سطح پرسکون ہو اور گہرائیاں گراں قدر موتیوں سے لبریز''۔

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلویؒ نے ارشاد فرمایا:

''علامہ صاحب فضل وکمال، اصحاب فضل وکمال میں سب سے فائق، محقق بے بدل، رواں دواں سمندر، وقت کے مرجع اور نمونہ، استاذوں کے استاذ، محققین کے سردار، یگانہ محدث، باکمال مفسر، قابل تقلید فقیہ اور علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر تھے''۔

نامور محقق شیخ الاسلام علامہ زاہد حسن کوثریؒ فرماتے ہیں: ''محقق ابن ہمام کے بعد علامہ مرحوم جیسا کوئی نہیں ہوا، جو احادیث میں پنہاں انوکھے مباحث اجاگر کرتا ہو''۔ پھر خود ہی فرمایا: ''حالانکہ دونوں کے مابین طویل زمانہ ہے''۔ (مقدمہ: عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسی علیہ السلام از علامہ محمد یوسف بنوری)

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء وارباب فضل وکمال کی قیمتی آراء اور تأثرات آپ کی بابت موجود ہیں۔ گذشتہ سطور میں جو کچھ سپرد قلم کیا گیا وہ ''مشتے نمونہ از خروارے'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ الحاصل:

مضت الدھور وما اتین بمثلہ ولقد اتی فعجزن عن نظرائہ

آئندہ کی سطور میں مختلف علوم وفنون سے آپ کے خصوصی شغف وامتیاز اور اس علم وفن میں آپکے اختصاص کو الگ الگ عنوان سے ذکر کیا جا رہا ہے۔

……✦……

لا مذہبیت کا فتنہ
لا دینیت پر جا کر ختم ہوتا ہے!

حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

حامداً و مصلیاً و مسلماً: أما بعد

دین کی کچھ باتیں تو ایسی سادہ اور آسان ہوتی ہیں کہ جن کے جاننے میں سب خاص وعام برابر ہیں، جیسے وہ تمام چیزیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے یا مثلاً وہ احکام جن کی فرضیت کو سب جانتے ہیں، چنانچہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ارکانِ اسلام میں داخل ہیں، لیکن بہت سے مسائل ایسے ہیں جو عوام کی سمجھ میں نہیں آتے، اس لیے ان کو علماء سے پوچھنا ضروری ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کو اہل علم قرآن وحدیث میں غور کرنے کے بعد سمجھتے ہیں اور علماء کو بھی ان مسائل کے سمجھنے کے لیے شرعی طور پر ایک خاص علمی استعداد کی ضرورت ہے، جس کا بیان اصولِ فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے مذکور ہے، بغیر اس استعداد کے حاصل ہوئے کسی عالم کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی مشکل آیت کی تفسیر کرے، یا کوئی مسئلہ قرآن وحدیث سے نکالے۔ جس عالم میں یہ استعداد پیدا ہوجاتی ہے اور پھر وہ اپنی پوری کوشش صرف کرکے قرآن وحدیث سے مسئلہ نکالتا ہے، اس کو مجتہد کہا جاتا ہے اور جس شخص میں یہ استعداد نہ ہو وہ عامی ہے، عامی کو یہ حکم ہے کہ ہر مسئلہ میں مجتہد کی طرف رجوع کرے اور مجتہد کا یہ فرض ہے کہ وہ جو مسئلہ بھی بیان کرے کتاب وسنت میں خوب غور کرکے اور اپنی پوری کوشش صرف کرکے اولاً اس مسئلہ کو سمجھے اور پھر اس پر فتویٰ دے۔ اجتہاد وفتوی کا یہ سلسلہ عہدِ نبوی سے لے کر آج تک اُمت میں رائج چلا آرہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بھی بہت سے ایسے حضرات صحابہ کرامؓ میں تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے خود مدینہ شریف میں اور تمام ملکِ عرب میں جہاں اسلام پھیل چکا تھا، فتویٰ دیا کرتے تھے اور سب لوگ ان کے فتوی پر عمل کیا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کے بعد تابعینؒ کے دور میں بھی یہ سلسلہ اسی

طرح قائم رہا، بلکہ ہر شہر کے مفتی اور مجتہد جو مسائل بیان کرتے تھے اس شہر کے رہنے والے انہی کے فتاویٰ کے مطابق تمام احکامِ دین پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ پھر تبع تابعین کے دور میں ائمہ مجتہدین نے کتاب وسنت اور گزشتہ مجتہدین صحابہؓ وتابعینؒ کے فتاویٰ کو سامنے رکھ کر زندگی کے ہر باب میں تفصیل سے احکام مرتب کر دیئے۔ ان ائمہ میں اولیت کا شرف امام اعظم ابوحنیفہؒ کو حاصل ہے، پھر امام مالکؒ اور ان کے بعد امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین ہیں۔ چونکہ ان ائمہ اربعہ نے زندگی میں پیش آنے والے اکثر وبیشتر مسائل کو جمع کر دیا تھا اور ساتھ ہی وہ اُصول بھی بیان کر دیئے تھے کہ جن کی روشنی میں یہ احکام مرتب کیے گئے تھے، اس لیے تمام اسلامی دنیا میں قاضیوں اور مفتیوں نے انہی کے مسائل کے مطابق فیصلہ کرنا اور ان پر فتویٰ دینا شروع کر دیا، اس طرح تمام عالم اسلامی میں ان حضرات کے مذاہب مقبول ومعتمد ہو گئے، چنانچہ یہ سلسلہ دوسری صدی سے لے کر آج تک اسی طرح قائم ودائم ہے۔

ہندوستان میں جب انگریز کی عملداری شروع ہوئی تو اس زمانہ میں کچھ لوگوں کے سر میں یہ سودا سمایا کہ ہمیں اگلوں کے فتاویٰ پر چلنے اور ان کی تقلید کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہمیں تو خود قرآن وحدیث سے مسئلے نکالنے چاہئیں، یہ لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث یا غیر مقلد کہتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ بھی مقلد ہی ہیں۔ ان کے عوام تو مسجد کے مولوی ملاؤں سے مسئلے پوچھ پوچھ کر ان پر عمل کرتے ہیں اور یہ خود حدیث کی کچھ کتابوں کو سامنے رکھ کر علمائے شوافع نے جو اُن کا مطلب بیان کیا ہے اس پر چلتے ہیں۔ حدیث کی تصحیح وتضعیف اور راویانِ حدیث کی جرح وتعدیل میں بھی یہ محدثین ہی کے مقلد ہیں، چنانچہ بطور مثال ان کے نزدیک امام بخاریؒ یا امام ترمذیؒ کا کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنا اس حدیث پر عمل کرنے یا نہ کرنے کے لیے کافی ہے، حالانکہ انہیں پتہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ حدیث کیوں صحیح ہے؟ یا کیوں ضعیف ہے؟ غرض اس بارے میں یہ بخاریؒ وترمذیؒ کی تقلید کو کافی سمجھتے ہیں اور اس باب میں اجتہاد نہیں کرتے۔ اس عدم تقلید کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہندوستان میں دین ومذہب کے اندر فتنوں کے دروازے کھل گئے، ہر شخص مجتہد بن بیٹھا، چنانچہ سب سے پہلے سر سید احمد خان نے اس راہ میں قدم رکھا، پہلے حنفی مذہب کو خیر باد کہا، تقلید سے منہ موڑا، غیر مقلد ہوئے، پھر ترقی کرتے کرتے نیچریت پر معاملہ جا پہنچا، اور ظاہر ہے کہ جب فقہاء کی تقلید حرام ٹھہری تو تصحیح وتضعیف میں کسی محدث کی کیوں سنی جائے اور بغیر دلیل سمجھے اس کو کیوں صحیح مان لیا جائے؟ یہی حال غلام احمد قادیانی کا ہوا، وہ مذہب حنفی سے نکلا اور غیر مقلدیت میں بڑھتے بڑھتے معاملہ یہاں آ کر ٹھہرا کہ مہدی سے بھی آگے بڑھ کر مسیح موعود کے منصب پر اپنے کو پہنچا دیا۔ دوسری طرف اس انکارِ تقلید نے انکارِ

حدیث کی راہ دکھلائی، چنانچہ اسلم جیراج پوری کے دادا حنفی تھے، ان کے باپ مولوی سلامت اللہ غیر مقلد بنے، اسلم جیراج پوری نے باپ دادا سے بھی ایک قدم آگے بڑھایا تو انکارِ حدیث کے داعی بن گئے اور ان کے نام لیوا مسٹر پرویز کی زندگی کا مشغلہ ہی حدیث وسنت کا مذاق اُڑانا رہ گیا۔ اسی طرح ملک میں جتنے دوسرے دینی فتنے ہیں، وہ سب انکارِ تقلید کے شاخسانے ہیں۔ پہلے آدمی تقلید سے منکر ہوتا ہے، غیر مقلد بنتا ہے اور پھر اس کی خودرائی اسے گمراہی کے گڑھے میں ڈالے بغیر نہیں رہ سکتی۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب سے مذاہب اربعہ کا رواج ہوا، مسلمانوں میں نئے نئے فرقے پیدا ہونے بند ہو گئے تھے اور جب سے تقلید کا بند ٹوٹا ہے اور لامذہبی کا دور دورہ ہوا ہے، ہر طرف نئے نئے فتنے سر اُٹھانے لگے ہیں۔ آج کل خود کراچی شہر میں ہی دو نئے فتنے زور سے سر اُٹھا رہے ہیں: ایک فتنہ کراچی کے ساحل سے توحید کے نام پر اُٹھ رہا ہے، چنانچہ وہاں سے کتابچے ''توحید خالص'' کے نام سے شائع ہو رہے ہیں، ان میں یہی بتایا جا رہا ہے کہ حسن بصریؒ سے لے کر آج تک کوئی توحید کا حامل ہی نہیں رہا اور خاص کر ہندوستان کو تو تصوف نے ایسا تباہ کیا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ سے لے کر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تک ایک بھی مسلمان کہلانے کے لائق نہیں، اس فتنہ کا سربراہ ایک نامسعود شخص تھا جو حال میں فوت ہو گیا۔ دوسرا فتنہ کراچی شہر کی دوسری سمت سے سیدنا عثمان غنیؓ کے نام سے برپا کیا گیا ہے، جس کا مقصد ناصبیت کو زندہ کرنا ہے۔ اس فتنے کا سربراہ یزید اور مروان کا فدائی ہے اور ان کی پوری کوشش یہ ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے حضرت علیؓ، حضرات حسنین ؓ اور ائمہ اہل بیتؒ کو کوسا جائے اور ان کی عظمت کو پامال کیا جائے۔ اس فتنہ کا سربراہ نامحمود عباسی تھا، وہ تو مر گیا، اب اس کے چیلے چانٹے اس فتنہ کو ہوا دے رہے ہیں۔ ان دونوں فتنوں کی خرابی اور نقصان کا اندازہ لگانا ہو تو ان کے یہاں سے اس سلسلہ میں جو کتابچے شائع کیے جاتے ہیں ان کو دیکھ لیا جائے کہ کس قدر گمراہی پھیلا رہے ہیں۔

……◆……

سید الملت

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ

مولانا سید فضیل احمد ناصری
استاذ حدیث جامعہ ہٰذا ونائب مدیر ''محدّث عصر''

دارالعلوم دیوبند کی علمی، ادبی، ثقافتی اور روحانی فضا نے جن نونہالوں کو پالا اور پال کر سایہ دار شجر بنایا ان میں سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ بھی ہیں۔ یہ دیوبند کے شہری، محلہ سرائے پیرزادگان کے رہائشی اور قصبہ کی علمی وروحانی تسلسل کا امتداد تھے۔ ان کی پوری حیاتِ مستعار اربابِ علم و قلم کے لئے حیران کن رہی۔ وہ ایک طرف دانش وبینش کے فلک پیما، کتب بینی کے رسیا، لوح وقلم کے سلطان اور گراں بہا کتابوں کے مصنف اور کامیاب مدرس تھے تو دوری طرف تحریکی مزاج، قائد ملت، مجاہد آزادی اور سلیقہ مند منتظم بھی تھے۔ وجہِ شہرت ان کی تصنیفات بنیں۔ وہ انہیں کے سبب سے مؤرخ اسلام کہلائے مگر وہ جس طرح تاریخ دعوت وعزیمت کے شہ سوار تھے، اسی طرح فقیہ، محدث اور مفسر بھی تھے۔

ولادت اور نسب

مولانا کی ولادت ۱۹۰۳ء میں ہوئی، والد کا نام منظور محمد تھا، ولادت کے وقت ان کے والد بسلسلۂ ملازمت بلند شہر میں مقیم تھے۔ وہیں مولانا مرحوم نے آنکھیں کھولیں۔ ساداتِ رضویہ سے خاندانی نسبت رکھتے۔ ساداتِ دیوبند کے خاندانوں میں یہی سب سے قدیم ہے۔ گیارہویں صدی کے اوائل میں جناب سید ابراہیم صاحب دیوبند قیام فرما ہوئے۔ یہ جہانگیر کا زمانہ تھا۔ ان کی وفات ۱۰۳۴ھ میں ہے۔ مولانا محمد میاں صاحبؒ چالیس واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں۔ نسب نامہ حسب ذیل ہے:

سید محمد میاں ابن سید منظور محمد، ابن سید یوسف علی، ابن سید محمد علی، ابن سید ظہور ولی، ابن سید محمد فردوس،

ابن شاہ شبلی، ابن بندگی محمد اسماعیل، ابن سید محمد ابراہیم، ابن سید سعد اللہ، ابن سید محمود قلند، ابن سید احمد، ابن سید فرید، ابن سید وجیہ الدین، ابن سید علاء الدین، ابن سید احمد کبیر، ابن سید شہاب الدین، ابن سید حسین علی، ابن سید عبد الباسط، ابن سید ابوالعباس، ابن سید اسحاق عدلیب المکی، ابن سید قاری حسین علی الہادی، ابن سید لطف اللہ، ابن سید تاج الدین احمد، ابن سید حسین، ابن سید علاء الدین، ابن سید ابوطالب، ابن سید ناصر الدین احمد، ابن سید نظام الدین حسین، ابن سید موسیٰ، ابن سید محمد الاعرج، ابن سید ابی عبداللہ احمد، ابن سید موسیٰ المبرقع، ابن سید الامام محمد تقی، ابن سید امام موسیٰ علی رضا، ابن امام موسیٰ کاظم، ابن امام جعفر صادق، ابن امام محمد باقر، ابن امام زین العابدین، ابن امام ابوعبداللہ الحسین، ابن سیدنا علی و سیدۃ نساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہم بنت سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تعلیم وتربیت

تعلیم کی بسم اللہ مظفر نگر سے تعلق رکھنے والے میاں جی کے ذریعے ہوئی۔ ابتدائی فارسی جناب خلیل احمد صاحب سے پڑھی۔ مکتبی زندگی کا دور ختم ہوا تو ۱۹۱۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل کر دیئے گئے۔ عمر مبارک اس وقت کل ۱۰ ربرس تھی۔ اولاً درجاتِ فارسی میں کئی سال لگائے۔ اس سے فارغ ہوئے تو درجاتِ عربی میں بڑے بڑے اساتذہ سے کسبِ فیض کیا، جن میں امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ اور شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ جیسی نوابغِ زمانہ شخصیات شامل ہیں۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ ان جبالِ علم کا جہانِ فضل وکمال میں کتنا بڑا مقام ہے۔ علامہ کشمیریؒ تبحر علمی اور علوِ شان کی بنا پر ابن حجر ہندی سے متعارف ہیں تو علامہ بلیاویؒ امام المعقول والمنقول سے، جب کہ حضرت شیخ الادبؒ دنیائے عربیت وفقہ کی ناموس وآبرو کہلاتے ہیں۔ مولانا محمد میاں صاحب کو ان تمام بزرگوں کی شفقت وعنایت برابر حاصل رہی۔

ذہانت وفطانت کے واقعات

مولانا کی پوری تعلیمی زندگی انہاک واشتغال میں گزری۔ وہ اسباق کے پابند اور درسگاہوں کے حاضر باش تو تھے ہی، جفاکش، مریضِ مطالعہ اور متیقظ بھی تھے۔ ذہانت وفطانت بلا کی تھی ہی، محنت و مستعدی نے ان کے حافظے کو مزید توانا کر دیا تھا۔ عالم یہ تھا کہ مقاماتِ حریری جیسی مشکل اور صبر آزما کتاب نہ صرف یہ کہ ان کی دسترس میں رہی، بلکہ اس پر مالکانہ قابو بھی رکھتے۔ انہیں کے قلم سے یہ واقع سنئے:

''حضرت مولانا (اعزاز علیؒ) کے یہاں مقاماتِ حریری کا درس ہوتا تھا۔احقر کو اور مولانا اشفاق حسین صاحب سنبھلی کو مقامات سے اتنا شغف تھا کہ حافظِ مقامات مشہور ہو گئے تھے۔سہ ماہی امتحان کی نوبت آئی۔امتحان تقریری تھا اور اتفاق سے احقر اور مولانا اشفاق صاحب دونوں کا امتحان ساتھ ہوا۔اور کچھ ایسی صورت ہوئی کہ اس وقت درسگاہ میں ہم دو کے علاوہ اور کوئی طالب علم نہیں تھا۔حضرت مولانا نے ساتویں مقامہ کی عبارت پڑھوائی اور نحوی سوال کرلیا۔جس کے جواب میں ہم دونوں قابل ترین طالب علم بغلیں جھانکنے لگے۔حضرت مولانا نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا''مولانا ہم تو سمجھے تھے کہ آپ مقامات خوب یاد کرتے ہیں، بڑی محنت کرتے ہیں۔'' حضرت مولانا کے ان ملامتی ارشادات کے جواب میں ہم دونوں دم بخود تھے۔یقین تھا کہ ہم دونوں فیل کر دیئے جائیں گے، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ دونوں کو پورے نمبر عطا فرمائے۔''(تصویر انور،ص:۴۳۴)

ذہین، محنتی اور سنجیدہ طلبہ درست جواب دے کر بھی ریب و تردد اور ارتیاب و تذبذب میں پڑے رہتے ہیں کہ خدا معلوم نتیجہ کیا ہو،مولانا کی کشمکش بھی اسی نوعیت کی تھی۔لگے ہاتھوں اسی قبیل کا یہ واقعہ بھی سن ہی لیجئے،خود میاں صاحب فرماتے ہیں:

''ششماہی امتحان تھا،اس زمانہ میں سہ ماہی یا ششماہی امتحان تقریری ہوا کرتے تھے۔چند روز پہلے احقر کی شادی ہوئی تھی۔امتحان دینے کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں پیش ہوا۔عبارت پڑھی۔شاید عبارت میں کوئی غلطی بھی کی۔پھر مضمون حدیث پر کوئی بحث نہ کرسکا۔خاموش بیٹھ گیا۔حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک سوال کیا۔احقر یہی سمجھتا ہے کہ اس کا جواب الٹا سیدھا دیا۔مگر تعجب ہوا کہ احقر کو نمبر پورے عطا فرمائے۔''(ایضاً)

غرض مولانا کی طالب علمانہ زندگی قابل رشک گزری۔وہ ممتاز نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے۔ دورۂ حدیث میں ان کے نمبرات ملاحظہ فرمائیں:

بخاری شریف،ترمذی شریف،طحاوی شریف،نسائی شریف(۵۱)،مسلم شریف،موطا امام مالک،موطا امام محمد،ابن ماجہ،شمائل ترمذی(۵۰)،ابوداؤد(۴۸)،بیضاوی(۵۲)اور رشیدیہ(۴۴)۔

اسباق سے اُن کا ذوق وشوق، گہرائی و گیرائی اور کتب بینی کا چسکا صرف طلبہ ہی نہیں،اساتذہ کے درمیان بھی معروف تھا۔موقع بہ موقع اساتذہ کے سامنے عبارت خوانی بھی کی حتی کہ امام العصر علامہ کشمیریؒ کے درس میں بھی،جس میں ذکی طلبہ کی بھی ہوا اکھڑ جاتی تھی۔بخاری شریف علامہ کشمیریؒ سے پڑھی اور ۱۹۲۵ء میں طالب علمی کا دور پورا ہوا۔اس وقت دورہ میں صرف ۸۷رطلبہ تھے اور مولانا کی عمر ۲۲ر برس کے آس پاس۔

عملی زندگی کا آغاز

دارالعلوم سے فراغت پائی تو عملی زندگی میں اترنے کا فیصلہ کیا۔ نئے فارغین کے لئے سب سے بڑا مسئلہ فیصلے کا ہوتا ہے۔ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں سراپا حیرت ہوجاتا ہے کہ اس کا اگلا قدم کیا ہو؟ خیر قدرت نے دستگیری کی اور جس فضا سے نکلے تھے بہ غیر یسیر پھر اسی فضا میں پہنچ گئے۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ کی شام مدرسہ حنفیہ آرہ میں تقرر ہوگیا۔ بہتر ہوگا کہ اس سفر کی روداد بھی انہی کی زبانی سنی جائے:

''کتب درسیہ سے فارغ ہوا تو ملازمت کے سلسلے میں بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی خاص شفقت نے دستگیری فرمائی۔ آرہ ضلع شاہ آباد، صوبہ بہار میں ایک بہت پرانا مدرسہ ہے مدرسہ حنفیہ۔ اس نے گورنمنٹ سے ایڈ حاصل کرنی شروع کی اور مولوی وفاضل وغیرہ کے درجات کھولے تو آپ کو ایسے مدرس کی ضرورت ہوئی جو ادب، تاریخ اور ہیئت وغیرہ کی کتابیں پڑھا سکے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کسی تقریب سے بہار تشریف لے گئے تو اراکین مدرسہ حنفیہ کے ایک وفد نے حضرت سے ملاقات کی اور مدرسہ حنفیہ کے لئے ادیب کی فرمائش کی۔ یہاں جس طرح استاذ محترم مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی عنایت خصوصی نے سبقت فرما کر احقر کا نام پیش کیا، ایسے ہی حضرت شاہ صاحبؒ کی خاص شفقت تھی کہ باوجودے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے یہاں نہ حاضر باش تھا اور نہ اور کوئی خاص تعلق تھا، محض از راہِ شفقت احقر کے نام کو منظور فرمایا۔

یہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت احقر کی عمر تقریباً ۲۰؍سال تھی۔ داڑھی نہیں تھی، صرف سبزہ آغاز تھا۔ مدرسہ حنفیہ کے عمر رسیدہ مدرسین اور اراکین کے لئے عجیب سی بات تھی کہ ایک لڑکے کو اس خدمت کے لئے بھیج دیا گیا۔ مگر ان بزرگوں کی دعاؤں نے امداد فرمائی اور چند اجتماع جو اسی ہفتے میں ہوئے ان میں اردو، عربی کی تقریروں نے اس خلجان کو رفع کردیا۔ اور بجائے تحقیر کے احقر کی عزت کرنے لگے۔ پھر تقریباً تین سالہ قیام میں ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ اگر وہاں کچھ اور عرصہ قیام رہتا تو شاید اس حلقہ کی معراج احقر کو حاصل ہوجاتی، یعنی مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کا پرنسپل بنادیا جاتا، مگر:

عشق نے غالب نکما کردیا ☆ ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

انگریزی سرکار کی وظیفہ خواری کے ساتھ علم دین کی خدمت گوارا نہ ہوئی، گو خلاصی کی کوشش کرنے لگا۔'' (حوالہ، ص: ۴۳۵)

درس نظامی کی مشہور فقہی کتاب ''نورالایضاح'' کی اردو شرح بنام ''نوالاصباح'' اسی زمانے میں لکھی۔ یہ ۱۹۲۷ تھا۔

بہار سے مرادآباد

مولانا اپنی متواتر محنتوں، لگاتار مجاہدوں اور سوزِ اندروں کی بنا پر تدریس میں جوئے شیر کا فرہاد نکلے۔ بہار میں ان کا قیام مزید رہ سکتا تھا، مگر دینی خودداری نے انہیں ساڑھے تین برس سے زیادہ ٹکنے نہ دیا۔ وہاں سے آئے تو حضرت شیخ الادبؒ کی سفارش اور حضرت علامہ کشمیریؒ کی کوشش پر مدرسہ شاہی مرادآباد میں تقرر ہوگیا۔ ان کی تدریس کا شہرہ یہاں بھی ہوا۔ حل کتاب کے لئے مطالعے کا حد درجہ اہتمام تھا، صرف ایک دو کتابوں پر ہی اکتفا نہ تھا بلکہ متعلقہ ساری ہی شرحیں کنگھال ڈالتے۔

ترمذی شریف کا درس بھی ان سے متعلق رہا۔ اس سلسلے کا یہ واقعہ ذکر کردینا ہرگز بے محل نہ ہوگا۔ سنئے مولانا کے قلم سے:

''جس وقت جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں ترمذی شریف احقر سے متعلق ہوئی تو اگرچہ زمانۂ درس کے نوٹ میرے پاس تھے اور حضرت شاہ صاحب کی تقریروں کا مجموعہ ''العرف الشذی'' بھی زیر مطالعہ رہتا تھا۔ مگر احقر کو نہ اپنی لکھی ہوئی تقریروں پر اطمینان ہوتا اور نہ العرف الشذی کے مبہم حوالوں سے دل مطمئن ہوتا تھا بلکہ جو کتابیں بھی دستیاب ہوسکیں احقر نے ان کا مطالعہ کیا اور اصل عبارت مطالعہ کرنے کے بعد حرف بحرف اپنے پاس قلم بند کرلی۔ چوں کہ اصل عبارت نقل کرنے اور قابلِ یادداشت مسائل قلم بند کرنے کے لئے العرف الشذی کا حاشیہ کافی نہیں تھا تو سرِ ورق کے ساتھ ایک سادہ ورق لگا کر العرف الشذی کی جلد بندھوانی پڑی۔ یہ اوراق بھی عموماً یادداشتوں سے بھر گئے ہیں اور اس طرح معلومات کا ایک ذخیرہ فراہم ہوگیا ہے۔

اسی زمانہ کی بات ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فضلاء کی کوتاہ ہمتی کی مذمت کرتے ہوئے شکایت فرمائی کہ نئے مدرسین صرف العرف الشذی پر اعتماد کرلیتے ہیں اور ان کو یہ خیال نہیں آتا کہ اس کے حوالوں میں بہت کچھ غلطیاں ہیں۔ جب کاتب الحروف نے عرض کیا کہ یہ خادم صرف حوالوں پر اعتماد نہیں کرتا بلکہ حوالوں کی تصحیح کرتا ہے اور اصل عبارت بھی نوٹ کرلیتا ہے تو شاہ صاحبؒ بہت خوش ہوئے اور پھر دوسرے حضرات کے سامنے احقر کے اس فعل کی نظیر پیش فرمائی۔'' (تصویر انور، ص:۲۸-۴۲۷)

کم و بیش ہر علم و فن کی یہاں کتابیں پڑھائیں۔ مولانا یہاں ۱۷ ربرس رہے اور علوم و معارف کے موتی لٹاتے۔ مشہور مورخ قاضی اطہر مبارک پوریؒ، عارف باللہ حضرت قاری صدیق احمد باندویؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد پشاوری (پاکستان) اسی دور کے تلامذہ ہیں۔

سیاست سے وابستگی

ادھر مدرسہ شاہی مرادآباد میں مسندِ تدریس سجائی اور ادھر میدانِ سیاست میں بھی قدم زنی شروع ہوگئی۔ اہتمام تدریس کا یہ عالم کہ بقول مولانا سید حامد میاں: دوپہر کا وقت والد صاحب گھر جانے کے بجائے مدرسہ میں ہی گزارتے۔ میں گھر سے کھانا لاتا اور کھانے کے دوران بھی مطالعہ جاری رہتا اور شام کے درس کے لئے تیاری ہوجاتی۔ دورانِ طعام کا مختصر مطالعہ پورے درس کے لئے کافی ہوتا۔ ظہر کے بعد مدرسہ میں افتاء کا کام کرتے۔''

اور سیاست کا یہ عالم کہ اپنا خونِ جگر خارج اوقات میں اسے بھی دیتے اور پورے جوش وخروش کے ساتھ۔ خود ہی فرماتے ہیں:

''جمعیۃ علمائے ہند کا اجلاس ۲۹ء میں قصبہ امروہہ، ضلع مرادآباد میں ہورہا تھا۔ احقر اس زمانے میں مرادآباد کی مشہور درسگاہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں درس وتدریس کی خدمات انجام دے رہا تھا۔ مرادآباد ضلع کا صدر مقام ہے اور قصبہ امروہہ مرادآباد سے تقریباً اٹھارہ میل کے فاصلہ پر ہے، اس لئے مرادآباد کے حضرات بھی اس اجلاس کے داعی اور ذمے داروں میں شامل تھے۔ مگر احقر اس وقت صرف ایک مدرس تھا، جس کو اس کے اکابر حضرت مولانا حبیب الرحمنؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند اور حضرت الاستاذ مولانا اعزاز علی صاحبؒ سابق شیخ الفقہ والادب دارالعلوم دیوبند نے چند ماہ پہلے حنفیہ اورشاہ آباد، صوبہ بہار سے منتقل کرکے بھیجا تھا، البتہ جذبۂ صادق نے اس احقر کو حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحب مرحوم کی پارٹی کا ایک رکن یا ایک رضا کار بنا دیا تھا اور اس بنا پر اس اجلاس سے احقر کا تعلق صرف وزیٹر یا تماشائی کا نہیں تھا بلکہ یہ حیثیت ہوگئی تھی کہ ایک مبصر کی طرح قریب سے قریب ہوکر حالات کا جائزہ لے سکے۔ (مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، ایک سیاسی مطالعہ: ص ۱۳۲)

سرفروشانہ جدوجہد کا تسلسل

سیاست میں داخلہ ہوا تو تحریک آزادی سے وابستگی پیہم مستحکم ہوتی گئی۔ یہ جذبہ روزفراواں ہوتا رہا۔ دل کے غنی اور عزیمت کے پہاڑ تھے، بڑے بڑے سنگِ راہ بھی ان کے قدم نہ روک سکے۔ اس کی تفصیل بھی مولانا ہی کے قلم سے سنئے:

''احقر کی حیثیت صرف یہ تھی کہ مدرسہ شاہی مرادآباد کا مدرس اور جمعیۃ علمائے شہر مرادآباد کا ناظم تھا،

اس موقع پر لفظ لیڈر استعمال کرنا درست ہو تو مختصر تعبیر یہ ہے کہ احقر مقامی لیڈر تھا اور مجاہد ملت آل انڈیا لیڈر تھے، مگر خوش قسمتی سے ایک مرتبہ جیل کاٹ چکا تھا، اس بنا پر ایک خاص امتیاز حاصل ہو گیا تھا۔ دوسرا امتیاز یہ تھا کہ احقر کو جمعیۃ علماء ہند کا نواں ڈکٹیٹر نامزد کیا جا چکا تھا، اس کی تشریح یہ ہے کہ اس زمانے میں کانگریس خلافِ قانون جماعت قرار دی جا چکی تھی اور جمعیۃ علماء ہند کو اگرچہ انگریزی ڈپلومیسی نے خلافِ قانون جماعت قرار نہیں دیا تھا تا آں کہ خود انگریزی حکومت کے عمل سے اس کے دعوے کی تردید نہ ہو جائے کہ مسلمان تحریک آزادی میں شریک نہیں ہے، مگر عمل جمعیۃ علماء ہند کے ساتھ ایسا ہی تھا، جیسا کسی خلاف قانون جماعت کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ اس کے دفتر پر پولیس کے چھاپے پڑتے رہتے تھے، نمایاں کارکنوں کو گرفتار کر لیا جاتا تھا، وغیرہ وغیرہ۔ (مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، ایک سیاسی مطالعہ، ص: ۱۴۲)

مولانا پانچ مرتبہ جیل بھی گئے مگر پا بجولانی ان کے عزمِ سفر کے آگے حائل نہ ہو سکی، ان کا جرم عشق وقت کے ساتھ بڑھتا ہی گیا۔ مراد آباد، دہلی، میرٹھ، بریلی اور فیض آباد کی جیلوں میں گرفتار کر کے بھیجے گئے۔ ہفتہ روزہ ''الجمعیۃ'' ۸؍مئی ۱۹۷۰ء کے شمارے میں مولانا کا ملفوظ اس طرح درج ہے کہ:

''گرفتار ہوا پانچ مرتبہ۔ ایک بار تا اختتام عدالت۔ ایک بار ایک ہفتہ کی سزا ہوئی اور تین بار بالترتیب ایک سال، چھ مہینہ اور اٹھارہ مہینہ جیل میں رہا۔''

جمعیۃ علماء ہند سے تعلق

مولانا محمد میاں صاحب ابتداء سے ہی تحریکی مزاج رکھتے تھے۔ ان کی اس فطرت پر ان کے تعلیمی اور تصنیفی مشاغل میں رخنہ انداز نہ ہو سکے۔ اسی کا خوشگوار اثر تھا کہ عنفوان شباب سے ہی ملک کی سب سے باوقار ملی تنظیم جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ ہو گئے۔ اور یہ وابستگی ان کی حیات تک مسلسل جاری رہی۔ وہ متعدد مناصب پر بھی فائز رہے۔ ضلعی، ریاستی اور مرکزی سطح پر اس کی خدمت کی۔ اعلیٰ عہدوں پر متمکن رہے۔ یہ تفصیلات بھی انہیں کی زبانی سنئے:

''۱۹۲۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس امروہہ میں ہوا، جس میں شرکتِ کانگریس کا ریزولیشن پاس کیا گیا۔ اس اجلاس سے کچھ پہلے جمعیۃ علماء شہر مراد آباد کی مجلس منتظمہ کا اجلاس ہوا، جس میں احقر کو جمعیۃ علماء شہر مراد آباد کا نائب ناظم منتخب کیا گیا۔ کچھ دنوں بعد نائب کے بجائے ناظم بنا دیا گیا۔ اس وقت نظام جمعیۃ علماء سے وابستہ کیا گیا تھا تو احقر کو جمعیۃ علماء صوبہ آگرہ کا ناظم تبلیغ بنا دیا گیا۔ ناظم تبلیغ کے ساتھ احقر جمعیۃ علماء صوبہ آگرہ، پھر پورے صوبہ متحدہ کی جمعیۃ علماء کا ناظم ہو گیا۔ (اردو روزنامہ الجمعیۃ، خصوصی اشاعت، ص: ۱۳۰-۱۲۹)

مولانا رفتہ رفتہ ترقیات کے زینے پر چڑھتے گئے۔ سہارنپور میں جمعیۃ کا بڑا اجلاس ہوا تو اس میں انہیں جمعیۃ علماء ہند کا ناظم بھی نامزد کردیا گیا۔ اس کی روداد مولانا نے خود یوں بیان کی ہے:

''۴رمئی تا ۷رمئی ۱۹۴۸ء کو بڑی شان کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس سہارنپور میں ہوا، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ صدر اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی صاحبؒ ناظم اعلیٰ منتخب کئے گئے۔ احقر کا نام زبانوں پر آیا تو احقر نے اسٹیج پر کھڑے ہو کر معذرت کرنی چاہی، مگر سیدی شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے جو اسٹیج پر تشریف فرما تھے، خلاف معمول احقر کا دامن جھٹک کر کھینچا اور احقر کو پیچھے بٹھا دیا۔ اب بجز تسلیم و رضا چارہ ہی کیا تھا۔ ''قہرِ درویش برجان درویش۔'' (مجاہد ملت نمبر، ص:۵۶)

اگست ۱۹۶۲ء تک مجاہد ملت حیات رہے، ان کی وفات کے بعد مولانا کو ہی ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا اور ایک سال اس منصب پر فائز رہے۔ ۱۹۴۴ء سے ۱۹۶۳ء تک ناظم اور ۱۹۶۳ء تک ناظم اعلیٰ رہے۔ مولانا ہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ کو تفصیل سے لکھا اور اسے دستاویز کی شکل دی۔ جمعیۃ علماء پر ان کی تین بڑی کتابیں ہیں، جن میں مختصر تذکرہ، خدمات جمعیۃ علماء ہند چار حصوں پر مشتمل ہے۔ اسی طرح خطرناک نعرے اور جمعیۃ علماء ہند کا صراطِ مستقیم، اسی طرح جمعیۃ علماء ہند کیا ہے؟ یہ بھی دو حصوں میں منظر عام پر آئی۔

مسندِ تدریس کی طرف واپسی

عمر مبارک ۶۰رسال کی ہوئی تو جمعیۃ کے سرگرم شرکت سے علیحدہ ہوگئے، اس کی مجلس عاملہ کے رکن، ادارۃ المباحث الفقہیہ کے نگراں اور جمعیۃ ٹرسٹ کے چیرمین ضرور رہے، مگر جمعیۃ کا مستقل قیام ختم ہوگیا۔ طبیعت ایک بار پھر تدریس کی طرف مائل ہوئی، چنانچہ مدرسہ امینیہ دہلی کے شیخ الحدیث اور صدر مفتی بنائے گئے اور اخیر تک ان مناصب پر جلوہ افروز رہے۔ مدرسہ امینیہ میں قیام کا دورانیہ ۱۲ر برسوں پر محیط ہے اور مولانا کی تدریس کی مجموعی مدت ۳۲رسال۔

لوح و قلم کے بادشاہ

حضرت مولانا محمد میاں کی ذاتِ گرامی خوبیوں کا مجموعہ تھی، ان کی ماہرانہ تدریس، ذوقِ مطالعہ، سرفروشانہ کارنامے اور جمعیۃ علماء ہند سے طویل وابستگی آپ پڑھ آئے ہیں۔ ان سے مولانا کی عظمت و رفعت اور شانِ علمیت و عزیمت آفتابِ نیم روز کی طرح عالم آشکار ہے۔ مگر حیرت ناک حد تک مولانا کی

جس خوبی نے ملتِ اسلامیہ کو متاثر کیا وہ لوح وقلم سے استوار رشتہ ہے۔انہوں نے اس فن سے ایسا کام لیا کہ آنے والی پوری علمی اور تاریخی کائنات ان کی محتاج ہے۔وہ ہر موضوع پر بے تکلف اور برجستہ لکھ لیتے تھے۔مضمون اپنے مدعا پر مکمل حاوی اور جامع ہوتا۔علم وفن کا کوئی میدان ایسا نہیں جہاں انہوں نے اپنے قلم کی سلطانی کے پھریرے نہ اڑائے ہوں۔حدیث پر لکھتے تو اس کے حدود واطراف اور روح وعروق تک پرسیر حاصل لکھ ڈالتے۔فقہ پر لکھتے تو ایک مکمل فقیہ کے نقوش قارئین کے ذہنوں میں مرتسم ہوجاتے۔ ہرفن ان کا اپنا تھا،قلم اٹھایا اور مواد سے بھرپور ایک خوبصورت مضمون تیار ہوگیا۔خوب نگاری اور بسیار نویسی مولانا کی وہ خصوصیت تھی کہ کہنے والے انہیں ''حیوانِ کاتب'' کا ظریفانہ لقب دے گئے۔

(مطالعہ کا شوق،ص:۲۱۷)

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کے بانی فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ کا تبصرہ سنئے:

''دارالعلوم کے شعبۂ تعلیمات میں کہاں مسند آرا حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی مرحوم، علامہ بلیاویؒ اور نہ جانے کون کون؟ اور پھر یہ تہی دست وبے مایہ اب تعلیمی کاروائی میں شرکت کے لئے مجلس شوریٰ کی بعض نشستوں میں خاکسار کی بھی شرکت ہوئی۔یہاں مولانا محمد میاں مرحوم کو ایک اور ہی دنیا میں پایا، ایک ننھے سے گاؤ تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے قلم ہاتھ میں،شوریٰ کی کارروائی کی تحریر اور اس کو ضبط کرنے کا کام ان ہی سے متعلق۔حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اپنی مخصوص بے تکلف مجلسوں میں مرحوم کو حیوان کاتب فرماتے۔واقعی وہ حیوانِ کاتب دکھائی دیتے۔مجلس کی بحث وتمحیص میں شرکت برائے نام ہوتی،زیادہ وقت ان کا لکھنے لکھانے میں گزرتا۔کارروائی کی رپورٹ ایسے چست انداز میں لکھتے کہ قیل وقال کی گنجائش نہ رہتی۔'' (لالہ وگل،ص:۱۹۸)

شوقِ مطالعہ

خوب لکھنا اور زیادہ لکھنے کے ساتھ معلومات اور مواد سے بھرپور لکھنا، یہ کثرتِ مطالعہ کے بغیر نہیں ہوسکتا۔جس شخص کی کتابوں پر نظر ہو اور کرمِ کتابی بن کر زندگی گزارنے کو اپنا وظیفہ ٹھہرا چکا ہو، مطالعہ کا مشتاق اور تحریرات دیکھنے کا عادی ہو ایسا ہی شخص جب قلم اٹھاتا ہے تو اپنے مضامین میں حقائق ومعارف اور اسرار وغوامص کے دفتر کھول دیتا ہے۔مولانا محمد میاں صاحبؒ کی یہ کثرت نویسی اسی کثرتِ مطالہ کی مرہونِ منت تھی۔

فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

''مولانا محمد میاں مرحوم یوں بھی خاموش، زاویہ پسند، عزلت نشیں اور مرنجامرنج قسم کے آدمی تھے۔ نہ دربارداری نہ رونقِ مجلس، نہ کسی کو اُن کی ضرورت نہ وہ کسی کی ضرورت رکھتے۔ دیوبند آتے، مہمان خانہ میں قیام ہوتا، شوریٰ میں شرکت فرماتے اور یہیں کے کتب خانہ سے مستعار کتابیں لے کر مطالعہ کرتے۔ یہ تھیں ان کی مصروفیات۔'' (لالہ وگل، ص:۱۹۷)

مولانا کے قلمی کارنامے

مولانا کا قلمی سفر نہایت تاریخ ساز رہا، اس نے مقبولیت کی نئی نئی تاریخ رقم کی۔ ان کے خامۂ عنبر شمامہ سے نوے کے قریب تصنیفات سامنے آئیں۔ ''ہمارے پیغمبر'' ان کی اولین تصنیف ہے۔ سفر کی مبتدا جب اس قدر سعید ہو تو خبروں کا سلسلہ بھی بالعموم سعید ہوتا ہے۔ پھر تو ان کا قلم جواہر حکمت لٹانے میں فقید المثال بن گیا۔ اہم ترین اور معرکۃ الآراء کتابیں ان کے سدابہار قلم سے آئیں۔ ان میں سے دو تو پیغمبر اسلام علیہ السلام کی سیرت پر ہیں۔ چند کتابیں صحابۂ کرامؓ کی عظمت کے اظہار کے لئے لکھیں انہیں میں سے ایک شواہد تقدس ہے، اس میں انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقدیس کے دلائل پیش کئے ہیں۔ ''صحابہ کرامؓ کا عہدِ زریں اور مثالی حکومتیں'' یہ بیش قیمت کتاب خاصے کی چیز ہے۔ ماضی کی بعض تاریخی کتب نے صحابۂ کرامؓ کے بارے میں جو رطب و یابس معلومات دی ہیں، ان سے ایک عام قاری متاثر ہوجاتا ہے اور عظمت صحابہؓ ہرن ہونے لگتی ہے۔ یہ کتاب ایسی ہی تحریروں کا ازالہ ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ یہی کیا، مولانا کی ایسی ے رکتابیں ہے جو متعدد جلدوں پر مشتمل ہیں، ان میں علمائے ہند کا شاندار ماضی (۴ جلدیں)، علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے (۲ جلدیں)، جمعیۃ علمائے ہند کیا ہے؟ (۲ جلدیں)، عہد زریں (۲ جلدیں)، مختصر تذکرہ خدمات جمعیۃ علماء ہند (۴ جلدیں)، تاریخ اسلام (۳ جلدیں) اور دینی تعلیم کا رسائل (۱۲ حصے) شامل ہیں۔ ان کتابوں نے علمی، ادبی اور تاریخی حلقوں میں بڑی دھوم مچائی۔

علمائے ہند کا شاندار ماضی

یوں تو ساری تصنیفات ہی مولانا کی قابلیت اور نابغیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں، مگر ''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' وہ کتاب ہے جس نے مصنف کو مسلمانوں ہی کیا، انگریزوں میں بھی مشہور کردیا۔ چار جلدوں پر مشتمل اس کتاب میں حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، سید احمد شہید اور علمائے صادق پور کے حالات

اوران کی حیاتِ مبارکہ کی اسلامی مساعی کونہایت تفصیل سے بیان کیا۔ساتھ ہی سکھوں کی حکومت کا زوال اور برطانوی استعمال کے خلاف علمائے کرام کی جدوجہد کی وہ داستانیں جمع ہوگئیں ہیں،جن سے اہل اسلام کے سینےفخر سے چوڑے ہوجاتے ہیں اوردل میں سرفروشی کے جذبات انگڑائیاں لینے لگتے ہیں۔ یہ کتاب آئی تو اس نے ایوانِ باطل پر ایک زلزلہ طاری کردیا۔انگریز تلملا اٹھے، برہمی ایسی شدت اختیار کرگئی کہ جمعیۃ کا پریس بند کردیا گیا۔کتاب ضبط کرلی گئی اورخودمصنف پرمقدمہ درج کردیا گیا۔برطانوی حکومت کا یہ اقدام سراسرظلم و عدوان پر مبنی تھا۔ جمعیۃ علماء ہند بجا طور پر حرکت میں آئی اور مجلس عاملہ نے ۱۳ر ۱۴رجولائی ۱۹۴۰ء کے اجلاس میں شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ:

’’جمعیۃ اس کوصریح تشدداور قانون کا بیجا استعمال سمجھتی ہے، کیوں کہ وہ کتاب محض ایک تاریخی کتاب ہے،جس میں گذشتہ واقعات کوتاریخ کی کتابوں یا اسانید کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔اس ضبطی کا علوم و تصنیفاتِ جدیدہ کی تدوین واشاعت پرنہایت ناگواراورناقابلِ برداشت اثر پڑے گا۔‘‘

(جمعیۃ العلماء کیا ہے؟ص:۳۱۴)

مولانا کی اکثر کتابیں اسلامیات، سیاسیات اورتاریخ کے گرد گھومتی ہیں۔ ہر کتاب اپنے موضوع پر منفرداوراپنے مقصد میں کامیاب۔خاص بات یہ کہ وہ جوکچھ بھی لکھ رہے ہیں انتہائی مدلل اور مستند حوالوں سے۔ ہندی سیاست اور مسلمانوں کی تاریخ پران کی تصنیفات بلامبالغہ دائرۃ المعارف کا درجہ رکھتی ہیں۔ معلومات ومواد توان کی جان ہے ہی،اسلوبِ سخن بھی دل نشین اور پیکرِ الفاظ بھی جاذبِ قلب ونظر۔ان کی تحریریں پڑھنے والا کائناتِ کلام میں گم ہوجاتا ہے اور جب وہ باہر آتا ہےتو جیب و داماں لالیِ حکمت و جواہرمعلومات سےلبریز۔ان کی اکثر کتابیں آج بھی دستیاب ہیں اور ہرلائبریری کی زینت علم ومطالعہ کا رسیااورتاریخ وسیاست کا شوقین ان سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ان کی تحریروں کی یہ جاودانی ان کے کمالاتِ علمی پر برہانِ قاطع ہیں۔

فروغِ تعلیم اورمولانا

مولانا کی مہمات میں جہاں ملی اورسیاسی معاملات شامل تھے، وہیں ملتِ اسلامیہ میں تعلیم دین کا فروغ بطور خاص پیش نظر تھا، ہندوستان آزاد ہوا تو ایک بڑا خطرہ اس بات کا تھا کہ پسماندہ علاقوں کے مسلمان کہیں ارتداد کا شکار نہ ہوجائیں۔جمعیۃ علماء ہند اسی ضرورت کی تکمیل میں ملک کےمختلف حصوں میں پرائمری درجہ کے مکاتب قائم کرنے لگی۔مقصد یہ تھا کہ بچے ابتدائی دینی تعلیم کے ساتھ اس قابل ہوجائیں

کہ وہ یہاں سے نکل کر سرکاری، غیر سرکاری اسکولوں میں داخلہ لے سکیں۔ مکاتب قائم ہوئے تو نصاب کا مسئلہ کھڑا ہوا، اس مسئلے کے حل کے لئے تو مولانا آگے آئے اور دینی تعلیم کا نصاب تیار کر دیا۔ یہ نصاب کافی مقبول ہوا اور بچوں کی ذہنیت اسلامی سانچے میں ڈھالنے میں بڑا کارآمد و بارآور۔ یہ نصاب آج بھی جاری ہے اور امت کے نونہال آج بھی اس سے برابر فیض یاب ہورہے ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد کتب بچوں کے لئے تیار کیں، جن میں ہمارے پیغمبرؐ اور اسلامی تقریبات جیسی تحریرات بھی شامل ہیں۔ انہیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ بچوں کی ذہنی ساخت سے مولانا کس قدر آگاہ تھے اور اس ساخت کے مطابق الفاظ و معانی کی ادائیگی پر انہیں کس قدرت حاصل تھی۔ مولانا نے صرف کتابیں ہی نہیں لکھیں، بچوں کے اسلامی مستقبل کے لئے دور دراز کے دوورے بھی کئے۔ ہماچل پردیش، راجستھان اور میوات کے علاقوں میں پہنچے اور مسلمانوں کو تلقین کی، مکاتب قائم کئے۔ مجدد الف ثانیؒ کے مزار کو شرنارتھیوں سے بچایا۔ ان کے علاوہ کئی ایسی کتابیں تیار کی گئیں جو آج بھی مدارس میں داخل نصاب ہیں۔

مولانا اپنے اخلاق کے آئینے میں

یہ تو رہے مولانا کی علمی، سیاسی اور قلمی زندگی کے چند کارنامے۔ عام مشاہدہ ہے کہ جب انسان زیادہ قابل اور محامد کا حامل ہو تو اس کے اخلاق بالعموم اعجابِ نفس کے شکار ہوجاتے ہیں۔ مگر مولانا زندگی کے اس گوشے میں بھی نمونے کے انسان نظر آتے ہیں۔

فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

''یہ عروس البلاد بمبئی کا دیوہیکل مسافر خانہ ہے، کئی منزلہ میں۔ یہاں کی بالائی منزل میں اپنی والدہ مرحومہ کے ساتھ مقیم ہوں۔ ایک صبح بالائی منزل سے نیچے آیا تو دیکھا کہ ایک بوڑھا بیٹھا ہوا خود اپنے ہاتھ سے کپڑے دھونے میں مصروف ہے۔ یہ تو کوئی جانی پہچانی شخصیت ہے، جس کے خدوخال سے نگاہیں اگرچہ دور بین نہ سہی، مگر آشنا ہیں۔ یہ تھے سید الملت مرحوم مولانا محمد میاں۔ جمعیۃ علمائے ہند کے ناظم اعلیٰ جو جمعیۃ کی فراہمی مالیات کے لئے سفر کرتے ہوئے بمبئی وارد ہوئے تھے۔ کہنے کو یہ چھوٹی بات ہے، مگر ان کی اس ادا میں ان کی تواضع، فروتنی اور خاکساری کی اور داستانِ عبرت پنہاں ہے۔ خدا تعالیٰ نے مرحوم کو متانت اور سنجیدگی کی دولتِ فراواں عنایت فرمائی تھی۔ (لالہ وگل، ص: ۲۰۰)

دوسروں کے کام آنا مولانا کا وظیفہ تھا، کوئی کسی ضرورت کی درخواست لے کر آتا تو اسے محروم نہ بھیجتے۔ مولانا کی وفات ۱۹۷۵ء میں ہوئی۔ اس طرح آسمانِ علم وفضل کا آفتاب و ماہتاب ۷۲ رسال دنیا

میں اپنی تابانیاں بکھیرتا رہا۔ملت کا یہ پاسبان اب قبرستان مہدیان دہلی میں خوابِ راحت کے مزے لے رہا ہے۔

آخری بات

اخیر میں ختام مسک کے طور پر حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ کے جملوں کے ساتھ اپنے اس مقالہ کو ختم کرتا ہوں ۔شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

''مرحوم کی تصانیف،مضمون کی زرخیزی،عنوانات کی جاذبیت، ذیلی سرخیوں کی شوکت،فتویٰ اورتقویٰ، علم وعمل،ورع وپرہیزگاری،سیاسی دلچسپیاں،قید وبند کے آلام اورشاندار کارناموں پر بہت کچھ لکھا جائے گا مگر مجھ بے بضاعت کوتو ان کی زندگی کے اس نادر باب نے گہرا تاثر دیا کہ وہ مدرسہ شاہی سے نکلے،جمعیۃ علماء کی نظامت تک پہنچے، پھر نیابتِ صدارت دہلی، وہاں کے اونچے حلقوں میں پذیرائی اور دوڑتی بھاگتی دنیا سے رابطہ، یہ ممبرانِ پارلیمنٹ، وہ وزیر باتدبیر، یہ امیر طنّاز، وہ رئیس کج کلاہ، مگر مولانا محمد میاں مرحوم کی کھدّر کی شیروانی، کھادی کا لمبا کرتا، شرعی پاجامہ، دھوڑی کا جوتا، سر پر دوپلّی ٹوپی، ہاتھ کا تولیہ، چہرہ کی داڑھی، مسجد کی نمازیں، آہِ سحرگاہی، شب بیداری، جلوتوں میں خلوت، حدیث کا درس، فتوے کے لئے قلم، جیب کی تسبیح نہ چھوٹنا تھی اور نہ چھوٹی۔ کہنے کو تو بات معمولی ہے لیکن اپنی ڈگر پر یہ استواری بڑی بات ہے۔

بقول شاعر:

وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایماں ہے

اور یہی ان کی زندگی کا وہ روشن باب تھا جس کی یادیں زمزمۂ افلاک میں انشاء اللہ ہمیشہ باقی رہیں گی۔

……◆……

چند ''قرآنی لغات'' کا مختصر تعارف

مولانا بدرالاسلام قاسمی
استاذ جامعہ ہذا

لغات القرآن (۶ رجلدیں)

✦ مولانا عبدالرشید نعمانی رمولانا سیّد عبدالدائم جلالی

۶ رجلدوں پر مشتمل یہ لغات القرآن اردو زبان میں اکثر لغات القرآن کی اصل ہے، اس کی ابتدائی چار جلدیں مشہور و معروف اور مستند عالم دین حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی نے مرتب کیں، جب کہ آخر کی دونوں جلدیں حضرت مولانا سیّد عبدالدائم جلالی صاحب نے ترتیب دیں۔ معروف علمی و تحقیقی ادارہ ''ندوۃ المصنّفین دہلی'' کے زیر اہتمام یہ عظیم کام انجام پایا۔

حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب کی ولادت ۱۹۱۵ء میں ہندوستان کے مشہور شہر جے پور میں ہوئی، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی، ۱۹۴۲ء میں ندوۃ المصنّفین سے وابستہ ہوئے اور تقسیم ہند کے بعد پاکستان ہجرت کر گئے، وہاں جا کر تصنیف و تالیف اور تدریس و تحقیق کا سلسلہ جاری رہا، ۱۲ راگست ۱۹۹۹ء میں وفات پائی۔ اس کتاب کے دوسرے مصنّف حضرت مولانا سیّد عبدالدائم جلالی ۱۹۰۱ء میں ریاست رامپور میں پیدا ہوئے، مدرسہ عالیہ رامپور، مدرسہ عالیہ فتح پوری اور مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ تفسیر بیان السبحان ان کا علمی شاہکار ہے، اس کے علاوہ کئی حدیث و تفسیر کی کئی بڑی کتابوں کے مترجم ہیں۔ ۵ رنومبر ۱۹۸۳ء میں دہلی میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہیں۔

کتاب کی ترتیب حروفِ تہجی کے مطابق ہے جیسا کہ عموماً ڈکشنریوں کا انداز ہوتا ہے، الف سے یا تک کی یہ تختیاں قرآن کریم کے ہر لفظ کو محیط ہے۔ چناں چہ کتاب میں فقط مفرد الفاظ کے معانی پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ اس سے مشتق ہونے والے جتنے الفاظ قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں وہ سب تفصیل کے ساتھ شامل کتاب کیے گئے ہیں، مثلاً علم کے معنی جاننے کے ہیں تو قرآن کریم میں اس مادّہ سے استعمال

ہونے والے جملہ الفاظ کے معانی دیے گئے ہیں۔ اگر علیٰ کے معنی پر اور اوپر کے ہیں تو اس کے ساتھ علیہ، علینا وغیرہ کے معنی بھی بیان کیے گئے ہیں، جس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص قرآن کریم کی لغات سے استفادہ کرنا چاہے جو بنیادی نحو وصرف سے واقف نہیں اسے بھی کم از کم اس لفظ کے معنی معلوم ہو جائیں گے۔ کتاب کے اس قدر تفصیلی ہونے میں اس طریقۂ کار کا بھی بڑا دخل ہے۔ لغات القرآن سے کما حقہ فائدہ حاصل کرنے اور کتاب کے طریقۂ کار کو سمجھنے کے لیے مصنّف کے مقدّمہ کو پڑھنا نہایت مفید ہوگا۔ یہ لغات اس لیے بھی جامع ہے کہ اس میں فقط الفاظ کے معانی بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ ضروری تفصیلات بھی اس کے معنی کے ذیل میں شامل ہیں، کسی لفظ کی تشریح میں اگر مفسرین اور اہل لغت کے درمیان اختلاف ہے تو اس اختلاف کو نقل کر کے قولِ فیصل کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔ الفاظ کی اعلیٰ تحقیق کا اس سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جس لفظ کی تفسیر میں کوئی مرفوع حدیث یا کسی صحابی یا تابعی کا قول مل گیا ہے اسے بھی درج کر دیا ہے۔ نیز انبیاء کرام و دیگر شخصیات، تاریخی مقامات جن کا تذکرہ قرآن کریم میں مقام مدح یا مقام ذم میں کیا گیا ہے ان کے بھی مختصر احوال بھی شامل کتاب ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ بندے کے علم کے مطابق یہ کتاب اردو زبان میں لغات القرآن کے موضوع پر سب سے جامع، تفصیلی، تحقیقی اور معتبر کتاب ہے۔

لغات القرآن (۳رجلدیں)

✦ قاری عبدالوحید النوری، استاذ جامعہ سعودیہ نورالعلوم بہرائچ

تین ضخیم جلدوں پر مشتمل یہ کتاب بہترین تحقیق اور ترتیب پر مشتمل ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کتاب کا آخری حصہ پہلے لکھا گیا، اس کے بعد متوسط اور سب سے آخر میں جلد اوّل لکھی گئی۔ کتاب کے مصنّف نے مقدمہ میں تحریر کیا ہے مشرقی یوپی کی معروف دینی درس گاہ مدرسہ نورالعلوم بہرائچ کے سالِ سوم کے طلبہ کو سورۂ شعراء سے پارۂ عم تک کی تدریس ان سے متعلق ہوئی، طلبہ کی سہولت اور افادے کے پیش نظر حتی الامکان ہر لفظ کی لغوی وصرفی تحقیق نوٹ کرا دی گئی جسے بعد میں کتاب کی شکل دے دی گئی۔ اس کتاب کا ذیلی نام ''الافادات النعمانیہ فی حل للغات القرآنیہ'' ہے جس سے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب ہی کی لغات القرآن کو جوں کا توں حروفِ تہجی کی ترتیب سے پاروں کی ترتیب میں منتقل کر دیا گیا، حالاں کہ معاملہ ایسا نہیں ہے، دراصل مصنّف کتاب قاری عبدالوحید النوری صاحب نے جناب حافظ محمد نعمان صاحب نامی استاذ سے قرآن کریم کے ۲۸ر پاروں کا ترجمہ پڑھا تھا،

اپنے استاذ کوخراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے اس کتاب کو اپنے استاذ کی جانب منسوب کیا ہے۔ کتاب کی ترتیب میں مصنّف نے لغات القرآن مرتبہ مولانا عبدالرشید نعمانی، جلالین شریف، اِکلیل، بیان القرآن اور تفسیر ابی السعود سے استفادہ کیا ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب ہی کی طرح یہ لغت بھی کافی تحقیقی ہے، فقط الفاظ کے لغوی معنی بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے، بلکہ حسبِ ضرورت اس سے متعلق تفصیلات، لغوی اختلافات، صلے کے استعمال وغیرہ کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ ترجمہ قرآن کے طلبہ کے لیے یہ کتاب کافی مفید معلوم ہوتی ہے۔

منتخب لغات القرآن (۲ رجلدیں)

✦ حضرت مولانا مفتی محمد نسیم بارہ بنکوی، استاذ دارالعلوم دیوبند

دو جلدوں پر مشتمل یہ لغات دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث حضرت مولانا مفتی محمد نسیم بارہ بنکوی صاحب کی ترتیب دادہ ہے۔ قرآنی پاروں کی ترتیب پر مشتمل یہ لغت سابقہ دونوں لغات کے مقابلے میں مختصر ہے۔ ۲۰۰۵ء میں اس کی جلد اوّل منظر عام پر آئی تھی، جو طلبہ و اساتذہ میں کافی مقبول ہوئی اور ۲۰۰۹ء میں اس کی دوسری جلد بھی زیورِ طبع سے آراستہ ہوگئی۔ اس لغات سے استفادہ کرنا کافی آسان ہے، ہر لفظ سے پہلے ترتیب وار آیت نمبر درج ہے، الفاظ کے معانی کے ساتھ لغوی وصرفی تحقیق بھی کی گئی ہے، ابواب کی نشان دہی اور واحد وجمع کا تذکرہ بھی شامل کتاب ہے۔ ساتھ ساتھ طلبہ وطالبات کے لیے مشکل مقامات پر نحوی ترکیب بھی ذکر کی گئی ہے، نیز انبیائے کرام کے حالات بھی شامل کتاب ہیں، نیز کلمات کی تشریح میں اتباعِ سلف کو لازم رکھا گیا ہے، چناں چہ ترجمہ شیخ الہند اور بیان القرآن کو الفاظ کے معانی کی اصل بنایا گیا ہے، اور تشریح میں تفسیر بیضاوی، جلالین، مظہری اور قرطبی کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ترکیب کے لیے محی الدین درویش کی مقبول کتاب ''اعراب القرآن'' کو بنیاد بنایا گیا ہے، اس کے علاوہ کلمات القرآن مرتبہ شیخ حسنین محمد مخلوف سابق مفتی مصر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ انہیں خصوصیات وسہولیات کی بنیاد پر سردست یہ کتاب مدارس کے طلبہ وطالبات میں کافی مقبول ہے۔

قاموس القرآن

✦ قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

درمیانے سائز میں 816 صفحات پر مشتمل یہ لغت اپنے وقت کے معتبر ومستند عالم دین، امام العصر حضرت علامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ کے شاگرد، کئی کتابوں کے مصنّف حضرت قاضی زین

العابدین سجاد میرٹھی صاحب نے ۱۹۵۴ء میں ترتیب دی تھی۔ یہ قاموس حروفِ تہجی کی ترتیب سے لکھی گئی ہے، کتاب کے مقدّمہ میں مصنّف کی جانب سے لغت کی جو خصوصیات تحریر کی گئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ کتاب میں تمام الفاظ قرآنی کا احاطہ کیا گیا ہے، پہلے قرآن کے مرادی معنی تحریر کیے ہیں، پھر لغوی و صرفی تحقیق کی گئی ہے، ہر مشتق کے مصدر کے ساتھ ساتھ اس کا صلہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ اہم الفاظ پر تشریحی نوٹ لکھے گئے ہیں جو پانچ سو سے زائد ہیں۔ بعض مقامات پر یہ اتنے تفصیلی ہیں کہ کئی کئی صفحات کو محیط ہیں۔ قرآنی و دینی اصطلاحات پر بھی تفصیل سے کلام کیا گیا ہے، انبیاء کرام کا مختصر تعارف ان کے نام کے ذیل میں موجود ہے۔ کتاب کی ترتیب کے دوران القاموس المحیط، مفردات غریب القرآن، کشاف، تفسیر ابن کثیر، تفسیر بیضاوی، مدارک التنزیل، تفسیر مظہری وغیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اردو کتابوں میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ عبدالقادر دہلوی، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، امام العصر حضرت علامہ سیّد انور شاہ کشمیری وغیرہ کے تفسیری افادات بھی پیش نظر رہے ہیں، البتہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کے فوائد القرآن اہمیت کے ساتھ مد نظر رہے ہیں۔ کتاب کی اہمیت اس اعتبار سے بڑھ جاتی ہے کہ یہ پہلی مکمل اردو لغات القرآن ہے، حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب کی لغات القرآن کی ترتیب کا آغاز تو اس سے پہلے ہو چکا تھا، تاہم تکمیل نہ ہو سکی تھی، تو ترتیبِ آغاز کے اعتبار سے مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب کو اوّلیت حاصل ہے، تاہم باعتبار تکمیل و اشاعت قاموس القرآن اُس پر فائق ہے۔

آسان لغات القرآن

✦ عبدالکریم پاریکھ

اس کتاب کے مصنّف جناب الحاج عبدالکریم پاریکھ صاحب کی ولادت کاٹھیاواڑ، گجرات میں ہوئی، ان کے والد مکرّم تلاشِ معاش کے سلسلے میں ناگپور (مہاراشٹر) آبسے۔ بہت سے عوام و خواص مصنّف محترم کو کسی مدرسے سے باضابطہ سند فضیلت حاصل کرنے والے ''مولانا'' سمجھتے ہیں، حالاں کہ وہ عصری تعلیم یافتہ تھے، البتہ خدمت دین اور قرآن کریم سے بے پناہ شغف کی بنا پر ناگپور کی ایک مسجد میں ہی درسِ قرآن کا آغاز کیا، درسِ قرآن مقبول ہوتا گیا، جماعت اسلامی سے بھی وابستگی رہی، درسِ قرآن میں شرکت کرنے والوں میں اکثریت عصری تعلیم یافتہ طبقے کی تھی، کتاب کے مقدّمے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا اصل مقصد اُن افراد کو قرآن کریم کے ترجمہ اور معانی سے روشناس کرانا تھا جو نحو و صرف

اور عربی گرامر سے واقف نہیں ہوتے ، بلکہ بعض پیچیدہ قواعد کی بنا پر فہم قرآن کا جذبہ بھی ماند پڑنے لگتا ہے، اس لیے کتاب کی ابتدا میں نہایت آسان اور سہل انداز میں عربی کے بنیادی قواعد کو ۹ ؍اسباق میں بیان کیا گیا ہے جس میں مبتدا خبر سے لے کر گرامر کے قواعد کا کسی حد تک احاطہ کیا گیا ہے، اگر کوئی شخص کسی مضبوط استعداد والے شخص سے یہ قواعد اچھی طرح سمجھ لے تو واقعی اُسے فہم قرآن میں سہولت ہو سکتی ہے۔ واضح رہے کہ مصنّف محترم کی خدمات کی قدر افزائی کے لیے حکومت ہند نے انہیں پدم بھوشن ایوارڈ سے سرفراز کیا تھا۔

کلید الفاظِ قرآنی

◆ ڈاکٹر ہادیہ شامخات مسعودی

بڑے سائز میں ۷۴۰ صفحات پر مشتمل یہ لغت کچھ دنوں پہلے ہی منظر عام پر آئی ہے جس کی مرتبہ ہیں محترمہ عالمہ ڈاکٹر ہادیہ شامخات مسعودی صاحبہ۔ بندے کے علم کے مطابق اردو زبان میں مکمل لغات القرآن کی خدمت انجام دینے والی یہ پہلی خاتون ہیں۔ کتاب پر پیش لفظ مشہور عالم دین حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہٗ کا ہے جن کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کی مرتبہ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کے تحت چلنے والے ادارہ مدرسہ عبداللہ ابن مسعود کی فاضلہ ہیں۔ مدرسہ عبداللہ ابن مسعود کے نگراں اور استاذ حضرت مولانا سرفراز احمد قاسمی صاحب نے پورے مسودہ پر نظر ثانی کی ہے۔ کتاب میں لغوی یا تحقیقی معیار کس انداز کا ہے اور اس کی تصنیف کا پس منظر کیا ہے، یہ ساری باتیں مرتبہ کی تحریر سے پتہ چلتی ہیں کہ انہوں نے چند سالوں قبل قرآن فہمی مع ترجمہ قرآن کا سلسلہ شروع کیا جس کی مخاطب خواتین ہوتی تھیں، البتہ انہیں الفاظ کی اعرابی تبدیلی سمجھنے میں بہت زیادہ دشواری ہوتی تھی، جس پر ان کی خواہش ہوئی کہ ایک ایسی کتاب ہو جو الفاظ قرآن کے معانی، اسم وفعل کی تعیین، صیغوں کی شناخت کے ساتھ مادّہ کی وضاحت کر دے، اس کے لیے انہوں نے متعدد کتابوں مثلاً قاموس القرآن، لغات القرآن سے رجوع کیا، جو اپنے موضوع پر نہایت جامع ومکمل تھیں البتہ میرے سامنے جو خواتین تھیں وہ مصروف اوقات میں سے کچھ وقت نکال کر دروس میں شامل ہوتی تھیں، ان کی ضرورت تھی کہ ایک ایسی کتاب ہو جو آیت نمبر کے ساتھ اور سورتوں کی ترتیب پر مشتمل ہو جس سے الفاظ کی بنیادی شناخت ہو جائے، اس ضرورت کے پیش نظر میں نے ''کلید الفاظِ قرآنی'' نامی کتاب مرتب کی۔

اخیر میں یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ ہمارے تعارف میں وہی لغات پیش نظر ہیں جو بازار میں بآسانی دستیاب ہیں، یقیناً ان لغات کے علاوہ بھی بہت سی لغات اور ڈکشنریاں موجود ہیں، تاہم اُن تک رسائی بہ سہولت ممکن نہیں ہو پاتی۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی بے مثال حکم رانی اور عظیم شہادت

مفتی محمد صادق حسین قاسمی

اسلامی تاریخ کے عظیم انسان، عبقری شخصیت، بے مثال حکم راں اور قائد، پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابیؓ، امیر المؤمنین، خلیفہ ثانی، عدل وانصاف، حق گوئی وبے باکی کے پیکر مجسم حضرت عمر فاروقؓ کی حیات اسلام کے لیے ایک عظیم نعمت رہی اور آپ کے اسلام کے لیے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی، آپ کے قبول اسلام کے ذریعہ کم زور مسلمانوں کو ایک حوصلہ ملا اور خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بے مثال رفیق وہم درد نصیب ہوا، بلاشبہ سیدنا عمر فاروقؓ کی ذاتِ گرامی سے اسلام کو اور مسلمانوں کو بہت کچھ فیض پہنچا اور آپؓ کی زندگی اسلام لانے کے بعد پوری اسلام کے لیے وقف تھی، آپ نے بہت کچھ اصلاحات دین کے مختلف شعبوں میں فرمائیں اور ایک ایسا نظام دنیا کے سامنے پیش کیا کہ دنیا والے اس کی نہ صرف داد دینے پر مجبور ہوئے، بلکہ اس کو اختیار کر کے اپنے اپنے ملکوں اور ریاستوں کے نظام کو بھی درست کیا اور بعض تو یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اگر دنیا کا نظام سنبھالنا ہو تو ابو بکر وعمر کو اپنا آئیڈیل بنایا جائے۔ ورع وتقوی، خلوص وللّٰہیت، سادگی وبے نفسی، انکساری اور عاجزی بے شمار خوبیوں سے اللہ تعالیٰ نے نوازا تھا، دنیا کے نظام کو چلانے اور انسانوں کی بہتر انداز میں خدمت کرنے کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا، جن کے ذریعہ اسلام دنیا کے دور دوراز علاقوں میں پھیلا اور اطراف عالم تک پہنچا، جن کی عظمت اور شوکت کا رعب دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو تھا اور بڑی بڑی سلطنتیں جن کے نام سے تھراتی تھیں، ایسے عظیم انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی خدمت، رعایا کی خبر گیری، مخلوق خدا کے احوال سے واقفیت کا عجیب جذبہ رکھا تھا۔ راتوں کی تنہائیوں میں لوگوں کی ضروریات کو پوری کرنے اور ان کے حال سے آگاہ ہونے کے لیے گشت کرنا، ہر ضرورت مند کے کام آنا اور ان کی خدمت انجام دینے کی کوشش میں

لگے رہنا آپ کا امتیاز تھا، آپ کی مبارک زندگی کے ان گنت پہلو اور گوشے ہیں اور ہر پہلو انسانیت کے لیے سبق اور پیغام لیے ہوئے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رفیق خاص کے بہت سے فضائل بیان کیے اوران کی عظمتوں کو اجاگر کیا۔ ذیل میں ہم صرف ان کی بے مثال حکم رانی سے متعلق چیزوں کو پیش کرتے ہیں اوراس سلسلہ میں ان کی سادگی اور انکساری کے پہلو کو بھی بیان کرتے ہیں، تاکہ اندازہ ہو کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی سلطنت کا فرماں روا اور منصبِ خلافت کا مسند نشیں بنایا تھا، لیکن اس تمام کے باوجود مخلوقِ خدا کی خدمت میں کس طرح اپنے آپ کو مٹا دیا تھا اور لوگوں کی بھلائی اور فائدہ کے لیے کن کن چیزوں کو بروئے کار لایا تھا، بقول مولانا شاہ معین الدین ندوی علیہ الصلوۃ والسلام کہ: فاروق اعظمؓ کی زندگی کا حقیقی نصب العین رفاہ عام اور بہبودی بنی نوع انسان تھا۔

عادل حکم راں

سیدنا عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں عدل وانصاف کی بہترین مثال قائم فرمائی اور عادل حکم راں بن کر تعلیمات عدل کو دنیا میں پھیلا دیا، مساوات وبرابری اور حقوق کی ادائیگی کا حد درجہ اہتمام فرمایا۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ: تم عمرؓ کا ذکر کیا کرو، کیوں کہ جب تم عمرؓ کو یاد کروگے تو عدل وانصاف یاد آئے گا اور عدل وانصاف کی وجہ سے تم اللہ کو یاد کروگے۔ (اسد الغابہ: 4/ 153، دار الکتب العلمیہ، بیروت)
ایک مرتبہ قیصر نے اپنا ایک قاصد حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا، تاکہ احوال کا جائزہ لے اور نظام وانتظام کا مشاہدہ کرے، جب وہ مدینہ منورہ آیا تو اس کو کوئی شاہی محل نظر نہیں آیا، اس نے لوگوں سے معلوم کیا کہ تمہارا بادشاہ کہاں ہے؟ صحابہ نے کہا کہ ہمارا کوئی بادشاہ نہیں ہے، البتہ ہمارے امیر ہیں، جو اس وقت مدینہ سے باہر گئے ہوئے ہیں، قاصد تلاش کرتے ہوئے اس مقام پر آ گیا جہاں امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ دھوپ کی گرمی میں سخت ریت پر اپنے درہ کو تکیہ بنائے آرام فرمارہے تھے، پسینہ آپ کی پیشانی سے ٹپک رہا تھا، جب اس نے دیکھا تو سیدنا عمرؓ کے جاہ وجلال اور عب سے وہ گھبرا گیا، اس نے کہا کہ: اے عمر! واقعی تو عادل حکم ران ہے، اسی لیے تو آرام سے بغیر کسی پہرہ اور حفاظتی انتظامات کے تنہا خوف اور ڈر کے بغیر آرام کررہا ہے اور ہمارے بادشاہ ظلم کرتے ہیں، اس لیے خوف وہراس ان پر چھایا رہتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرا دین حق ہے، میں اگر قاصد بن کر نہ آیا ہوتا تو مسلمان ہوجاتا، لیکن میں جاکر اسلام قبول کروں گا۔ (اخبار عمرؓ لعلی الطنطاوی: 327)

زہد وسادگی

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو بلند مقام ومرتبہ عطا فرمایا تھا اور آپ کی حکم رانی کے چرچے طول وعرض میں

پھیل چکے تھے، لیکن اس کے باوجود بھی تواضع وسادگی اور زہد وتقوی میں غیر معمولی اضافہ ہی ہوتا گیا، آپ ہر وقت اسی فکر میں رہتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس حال میں چھوڑا اسی پر پوری زندگی گزر جائے، عمدہ کھانوں، بہترین غذاؤں اور اسباب تنعم سے ہمیشہ گریز ہی کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اہل بصرہ کا ایک وفد حضرت عمرؓ کے پاس آیا، ان لوگوں کے لیے روزانہ تین روٹیوں کا انتظام ہوتا، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے کبھی بطور سالن کے روغن زیتون پایا، کبھی گھی، کبھی دودھ، کبھی خشک کیا ہوا گوشت، جو باریک کر کے اُبال لیا جاتا تھا، کبھی تازہ گوشت اور یہ کم ہوتا تھا۔ انہوں نے ایک روز ہم سے کہا کہ اے قوم! میں اپنے کھانے کے متعلق تم لوگوں کی ناگواری وناپسندیدگی محسوس کرتا ہوں، اگر میں چاہوں تو تم سب سے اچھا کھانے والا، تم سب سے اچھی زندگی بسر کرنے والا ہو جاؤں، میں بھی سینے اور کوہان کے سالن اور باریک روٹیوں کے مزے سے ناواقف نہیں ہوں، لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سن رکھا ہے کہ :﴿اذهبتم طيباتكم في حياتكم الدنيا واستمتعتم بها﴾ (طبقات ابن سعد:2/58)

لباس وپوشاک میں بھی اسی طرح کی سادگی آپ نے اختیار کی جو ہر ایک کے لیے نہایت حیرت انگیز اور ایمان افروز ہے۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ خطبہ دے رہے تھے اور آپ کے جسم پر جو لباس تھا اس میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ (مناقب امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ لابن الجوزی:131)

اس طرح بے شمار واقعات آپ کی سیرت میں موجود ہیں۔

راتوں کو گشت

حضرت عمرؓ نے حکم رانی کرنے اور نظام سلطنت کو چلانے کا بے مثال انداز دیا ہے، ایک حاکم کی کیا فکر ہونی چاہیے اور رعایا کی خبر گیری کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کرنا چاہیے، اس کو بہتر طور پر آپ نے پیش کیا اور بتایا کہ جس کے دل میں خوف خدا اور آخرت کا احساس ہوتا ہے تو پھر وہ تخت اور حکومت کے ملنے کے بعد اپنی عوام کی فکر سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ چناں چہ حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ راتوں کو گلیوں میں گشت کرتے، جب لوگ آرام وراحت کے لیے گھروں میں چلے جاتے، آپ حالات سے آگہی حاصل کرنے اور پریشان حالوں کی پریشانیوں سے واقف ہونے کے لیے باضابطہ چکر لگاتے اور جو کوئی مصیبت زدہ ملتا، پریشان حال نظر آتا، مسافر یا اجنبی غم کا شکار دکھائی دیتا تو خلیفہ وقت خاموشی سے کام انجام دے جاتے اور احساس تک ہونے نہیں دیتے کہ یہ وہی عمر جس کی عظمت کے ڈنکے عالم میں بج رہے ہیں۔

ایک رات آپ گشت کر رہے تھے کہ مدینہ کے تین میل فاصلہ پر مقام حراء پہنچے، دیکھا کہ ایک عورت

کچھ پکار رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں، پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی، اس نے کہا بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں ان کو بہلانے کو خالی ہانڈی چڑھا دی ہے، حضرت عمر اسی وقت مدینہ آئے، آٹا، گھی، گوشت اور کھجوریں لے کر نکلے، ساتھ آپ کا غلام اسلم بھی تھا، اس نے کہا کہ میں لیے چلتا ہوں، مجھے دے دیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میرا بوجھ تم نہیں اٹھاؤ گے۔ پھر آپ خود ہی سامان لے کر اس عورت کے پاس آئے، اس نے کھانا پکانے کا انتظام کیا، حضرت عمر خود چولہا پھونکتے تھے، کھانا تیار ہوا تو بچے خوشی خوشی اچھلنے لگے، حضرت عمر دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ (خلفائے راشدین:127)

رات میں گشت کے دوران آپ نے بے شمار پریشانوں کی امداد کی اور آپ کا مقصد بھی یہی تھا کہ تنہائیوں میں نا جانے کتنے لوگ پریشان حال لوگوں سے دو چار ہوں گے تو ان کے کام آیا جائے، اس سلسلہ میں بہت واقعات ہیں، جس سے آپ کی ہم دردی اور فکر مندی اور رعایا کی خبر گیری کے جذبات نمایاں نظر آتے ہیں۔

ضرورت مندوں کی خدمت

حضرت عمر کے خدمت خلق کا انداز بھی بڑا نرالا تھا، گلیوں میں گشت لگاتے ہی تھے، نظام خلافت ایسا بنایا تھا کہ کوئی ضرورت مند محروم نہ رہنے پائے، حکام اور عمال بھی ایسے متعین فرمائے تھے جو ہر وقت راحت رسانی کی فکر میں کوشاں رہتے، ساتھ میں خود امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ بھی ضرورت مندوں کی حاجت پوری کرنے میں لگے رہتے، بلکہ آپ کی زندگی پوری انسانیت کی خدمت میں گزری، اسی میں آپ کو مزہ آتا اور دل کو سکون وراحت نصیب ہوتی تھی۔ حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں کہ ایک تاریک رات میں، میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ ایک گھر میں داخل ہو گئے، اس کے بعد دوسرے گھر میں داخل ہوئے، صبح میں نے اس مکان میں داخل ہو کر دیکھا کہ ایک نابینا بوڑھی بیٹھی ہے، میں نے اس بوڑھی سے پوچھا کہ وہ کون تھے؟ تجھے معلوم ہے؟ اس نے کہا کہ وہ اسی طرح میرے پاس آ کر میری ضروریات کو پوری کر کے چلے جاتے ہیں اور صفائی ستھرائی کر کے واپس ہو جاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ تو عمرؓ ہیں۔ (مناقب عمر بن الخطاب:68)

ایک رات آپ مدینہ کے ایک راستے سے گزر رہے تھے تو ایک خیمہ لگا ہوا نظر آیا، جو کل نہیں تھا، اس کے باہر ایک بدوی بیٹھا ہوا ہے اور اندر سے رونے کی آواز آ رہی ہے۔ حضرت عمرؓ فوری اس کے قریب گئے، حال دریافت کیا، رونے کا سبب معلوم کیا، اس نے کہا کہ میری بیوی دردزہ میں مبتلا ہے اور کوئی خاتون نہیں جو اس مشکل وقت میں میری مدد کر سکے۔ حضرت عمرؓ گھر تشریف لائے، اہلیہ محترمہ حضرت ام کلثومؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آج تمہیں نیکی کمانے کا ایک موقع دیا ہے، کیا تم اس سے فائدہ اٹھاؤ گی؟ بیوی نے کہا کہ ضرور!

آپ بتلائیے! کیا کام ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایک اجنبی عورت دردزہ میں مبتلا ہے، اس کے پاس کوئی عورت نہیں، لہٰذا تم جلدی سے ضرورت کا سامان لے کر میرے ساتھ چلو، حضرت اُم کلثوم آپ کے ساتھ نکلی، حضرت عمر نے ہانڈی خود اٹھالی، خیمہ آتے ہی وہ اندر چلے گئی، باہر آپ نے آگ جلا کر ہانڈی چڑھادی، کچھ دیر بعد اندر سے آواز آئی کہ امیر المؤمنین! اپنے دوست کو بیٹے کی خوش خبری سنادیجیے۔ جیسے اس دیہاتی نے امیر المؤمنین کا لفظ سنا تو گھبرا گیا، آپ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں، اطمینان رکھو، پھر جو کھانا تیار ہوا تھا اندر دے دیا کہ اس خاتون کو کھلایا جائے، اس کے بعد آپ نے اس بدوی سے کہا کہ تم بھی کھالو، بہت دیر سے بھوکے ہو اور یہ کہہ کر رخصت ہوگئے کہ صبح آجاؤ، بچے کا روزینہ مقرر ہوجائے گا۔ (اخبار عمرؓ:346 بیروت)

سیدنا عمرؓ کی مبارک زندگی میں اس طرح کے کئی واقعات ہیں کہ آپ نے خاموشی کے ساتھ لوگوں کی مدد کی، پریشان حالوں کی خدمت کی اور محتاجوں کی ضروریات کی تکمیل فرمائی۔

غلام کے ساتھ حسن سلوک

سیدنا عمرؓ جس طرح اپنی رعایا اور دوسرے افراد کی راحت رسانی کی فکر میں رہتے اور ان کی خدمت کرنے میں پیش رہتے اسی طرح آپ خادموں اور غلاموں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے کہ غلام وآقا، مالک ومملوک کا فرق نہیں ہوتا اور ان کو آرام پہنچانے میں آگے رہتے، حضرت عمرؓ جن کی عظمت سے باطل کے دل لرزتے اور بدن کانپتے تھے، وہ اتنے رحم دل اور خیر خواہ تھے کہ ان کی رحم دلی اور خیر خواہی سے غلام بھی سکون واطمینان محسوس کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ جب حج کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو صفوان بن امیہؓ نے دعوت دی اور کھانا ایسے بڑے برتن میں لایا گیا جس کو چار آدمی اٹھا سکتے تھے، خادموں نے کھانا لاکر رکھ دیا اور واپس ہونے لگے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم لوگ ہمارے ساتھ نہیں کھاؤ گے؟ تو ان خادموں نے کہا کہ نہیں۔ ہم بعد میں کھالیں گے۔ یہ بات سن کر آپ سخت ناراض ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ لوگوں پر رحم کرے، یہ ابھی تک طبقات میں بٹے ہوئے ہیں؟ پھر خدام کو حکم دیا کہ بیٹھ جاؤ، چناں چہ سب نے کھانا کھایا۔ (سیدنا عمر فاروق کی زندگی کے سنہرے واقعات: 87)

آپ نے عیسائی اور غیر مسلم خادموں اور غلاموں کے ساتھ بھی حسن سلوک اور خیر خواہی کا معاملہ فرمایا اور ان کی راحت کا پورا اہتمام فرمایا۔

جانوروں پر رحم

حضرت عمر فاروقؓ دین کے معاملہ میں جتنے سخت اور مضبوط تھے، رہن سہن کے لحاظ اور حقوق کی

ادائیگی کے اعتبار سے اتنے ہی نرم اور رحم دل تھے، ذمہ داری کو پورا کرنے اور انسانیت کی فلاح وبہبودی کے لیے تڑپنے والے تھے۔آپ کی رحم دلی اور خیر خواہی انسانوں کے علاوہ جانوروں پر بھی تھی، جانوروں پر زیادہ بوجھ ڈالنا، ان کو غیر ضروری استعمال کرنا، ان کے چارہ کا صحیح انتظام نہ کرنا آپ کو بہت ہی ناگوار گزرتا اور کسی ایک جانور کا بھی مالک کی بے جا زیادتیوں کا شکار رہنا بھی آپ کو رنج وغم میں مبتلا کر دیتا تھا، خوف وخشیت اور احساس ذمہ داری کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ فرمایا کہ: اگر بکری کا کوئی بچہ فرات کے کنارے مر گیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عمر سے سوال کرے گا۔(مناقب عمرؓ:153) احنف بن قیس کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت عمرؓ کو ایک بڑی فتح کی خوش خبری دینے حاضر ہوئے، آپ نے پوچھا کہ تمہارا قیام کہاں ہے؟ ہم نے جگہ بتائی۔آپ ہمارے ساتھ اس مقام پر آئے اور ہماری سواریوں کے قریب آ کر ان کو دیکھنے لگے، پھر فرمایا کہ کیا تم اپنی سواریوں کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتے؟ تم نہیں جانتے ہو کہ ان کا بھی تمہارے اوپر حق ہے؟ ان کو کھلا کیوں نہیں چھوڑ دیا، تاکہ یہ زمین پر چل پھر سکیں۔(سیدنا عمرؓ کی زندگی کے سنہرے واقعات:217)

ایک مرتبہ آپ نے مچھلی کھانے کی خواہش ظاہر فرمائی، آپ کے غلام یرفا نے لمبا سفر کر کے مچھلی حاضر کی اور آ کر اپنی سواری کا پسینہ پوچھنے لگا، حضرت عمر نے دیکھ کر فرمایا کہ عمر کی خواہش پوری کرنے میں ایک جانور کو اس قدر تکلیف اٹھانی پڑے۔اللہ کی قسم! عمر اسے نہیں چکھے گا۔(حوالہ سابق:211) یہ حالت ہے اس عظیم المرتبت انسان کی اور اس بے مثال شخصیت کی کہ جو دین کے معاملہ میں شمشیر بے نیام ہو جاتی اور حق کے سلسلہ میں آہنی تلوار، لیکن مخلوق کا مسئلہ ہوتا یا انسانوں کی بھلائی اور جانوروں کی خیر خواہی کا سوال، تو پھر اپنے آپ کو اس درجہ مٹا دیتے کہ دنیا والے ان کی اداؤں پر آج بھی رشک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو کچھ اس انداز میں تیار فرمایا تھا کہ دنیا ہر دور میں ان سے سبق سیکھے اور راہِ عمل کو استوار کرے۔

بیت المال کا استحکام

آپ نے خدمت خلق کے میدان میں جو اہم کام انجام دیے اس میں نظام بیت المال کا استحکام بھی ہے، حضرت ابوبکرؓ نے اپنی خلافت میں جو بیت المال قائم فرمایا تھا، حضرت عمر نے اس کے نظام کو مضبوط ومستحکم فرمایا اور اصول وضوابط کے ساتھ اس کو جاری کیا، اپنی اولاد کے مال ودولت کو اس میں لگا دیا اور خود سادگی کی زندگی گزار دی۔مولانا شاہ معین الدین ندوی رقم طراز ہیں کہ: ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک مکان بیت المال کے لیے خاص کر لیا تھا، لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا

اوراس میں کچھ داخل کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی، چناں چہ وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

حضرت عمر نے تقریباً 15ھ میں ایک مستقل خزانہ کی ضرورت محسوس کی اور مجلس شوری کی منظوری کے بعد مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا، دارالخلافہ کے علاوہ تمام اضلاع اور صوبہ جات میں بھی اس کی شاخیں قائم کی گئیں اور ہر جگہ اس محکمہ کے افسر جداگانہ مقرر ہوئے۔ صوبہ جات اور اضلاع کے بیت المال میں جس قدر رقم جمع ہو جاتی تھی وہ وہاں کے سالانہ مصارف کے بعد اختتام سال صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں منتقل کر دی جاتی تھی، صدر بیت المال کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دارالخلافہ کے باشندوں کی جو تنخواہیں اور وظائف مقرر تھے صرف اس کی تعداد سالانہ تین کروڑ درہم تھی۔ (خلفائے راشدین:90)

سانحۂ شہادت

حضرت عمر فاروقؓ نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! مجھے تیرے راستے میں موت آئے اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور اس کا عجیب انتظام فرمایا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا ایک مجوسی غلام فیروز نامی تھا، اس نے ایک مرتبہ اپنے مالک حضرت مغیرہؓ کی شکایت کی کہ وہ مجھ سے زیادہ محصول طلب کرتے ہیں، حضرت عمرؓ نے اس بے جا شکایت پر کوئی توجہ نہیں دی، اس نے غیض وغضب میں ایک تیز خنجر تیار کیا اور نمازِ فجر میں چھپ کر آ کر بیٹھ گیا، جب حضرت عمرؓ نے تکبیر کہی، اس نے زور سے تین وار کیے جس سے امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروقؓ گر پڑے، موت وحیات کی اس کش مکش میں حضرت عبدالرحمن بن عوف کو نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھایا، نماز مکمل ہوئی تو آپ نے صحابہ کو کہا کہ قاتل کا پتہ لگاؤ کہ کس نے مارا، ابولؤلؤ نے تقریباً تیرہ صحابہ کو زخمی کر دیا اور جب وہ بالکل گرفت میں آ چکا تو از خود خنجر مار کر ہلاک ہو گیا، حضرت عمرؓ کو 26 ذوالحجہ 23ھ کو خنجر مارا گیا اور یکم محرم الحرام 24ھ کو شہادت عظمی کا سانحہ پیش آیا اور تدفین عمل میں آئی، آپ کی خلافت دس سال پانچ مہینے اکیس دن رہی۔ (طبقات ابن سعد:2/123)

آپ کی خواہش تھی کہ آپ کو اپنے دو رفیقوں کے پہلو میں جگہ ملے، حضرت عائشہ نے امیر المؤمنین کی اس تمنا کو پورا کیا اور حجرہ میں تدفین کی اجازت دی۔

……✦……

جامعہ کی سرگرمیاں

مولانا سید فضیل احمد ناصری

ششماہی امتحان کا اعلان

جامعہ میں ششماہی امتحان کب ہوگا؟ اس کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ دفترِ تعلیمات سے جاری اعلامیے کے مطابق یہ امتحان 14 / ستمبر 2024 سے 21 / ستمبر تک چلے گا۔ امتحان کا اعلان سامنے آتے ہی طلبہ نے اپنی کتابی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں۔ مطالعہ، مذاکرہ کا ماحول مزید گہرا ہو گیا ہے۔ جامعہ کا معمول رہا ہے کہ ششماہی اور سالانہ امتحان کے مواقع پر دوسرے مدارس کے ممتاز اساتذہ کو بغرضِ امتحان مدعو کرتا ہے تاکہ وہ طلبہ کی تیاریوں کا جائزہ لے کر مفید ترین مشوروں سے نوازیں، جن سے جامعہ کا تعلیمی کارواں گرم دمی کے ساتھ رواں دواں رہے۔ جامعہ میں بڑے امتحانات دو ہی ہوتے ہیں۔ ایک ششماہی اور دوسرا سالانہ۔ البتہ اعدادیہ سمیت عربی اول سے عربی سوم تک کے طلبہ کا امتحان ہر ماہ ہوتا ہے۔

ششماہی تعطیل کا اعلان بھی ہو گیا

ششماہی امتحان کے اعلان کے ساتھ ہی ششماہی تعطیل کا اعلان بھی ہو گیا۔ اعلامیے کے مطابق تعطیلِ ششماہی 22 / ستمبر سے 2 / اکتوبر تک رہے گی۔ 3 / تاریخ کو ہر جماعت کی بقیہ ایک کتاب کا امتحان ہوگا۔ آخری پرچے میں ہر طالب علم کی شمولیت بہر صورت لازمی ہے۔ غیر حاضری کی صورت میں داخلہ ختم کر دیا جاتا ہے۔ ماہانہ امتحان کا انعقاد اعدادیہ سمیت عربی اول سے عربی سوم تک کے طلبہ کا ماہانہ امتحان پچھلے مہینے منعقد ہوا، جس میں طلبہ نے اپنی عمدہ تیاریوں کا نمونہ پیش کیا۔ حضراتِ ممتحنین نے طلبہ کا ہمہ جہت جائزہ لے کر ذمہ داران کو مطلع کیا۔ نتیجۂ امتحان مجموعی طور پر بہترین رہا۔ اللہ تعالیٰ طلبہ کو مزید کامیابیوں سے نوازتا رہے۔

جامعہ میں جشنِ آزادی

ہر سال کی طرح اس بار بھی جامعہ میں پندرہ اگست کے موقع پر جشنِ آزادی کا پروگرام دھوم دھام

سے منعقد کیا گیا۔ سب سے پہلے پرچم کشائی کی رسم ادا کی گئی۔ جامعہ کے استاذِ حدیث و ناظمِ اعلیٰ دارالاقامہ مولانا ابوطلحہ اعظمی صاحب کے ہاتھوں پرچم کشائی کی تقریب عمل میں آئی۔ اس کے بعد عزیزم حبیب القدوس سلمہ نے ہندوستان کا قومی ترانہ جن گن من پڑھا۔ ترانے کے بعد دارالحدیث کے وسیع ہال میں آزادی کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی۔

حضرات اساتذۂ کرام نے جنگ آزادی کی تاریخ بیان کرتے ہوئے کہا کہ ملک کی آزادی کے لئے ہمارے اسلاف کی قربانیاں تاریخ کے اوراق پر ہمیشہ جگمگاتی رہیں گی۔ انھوں نے کہا کہ نوجوان نسل کو مجاہدین جنگ آزادی کی قربانیوں سے روشناس کرانا وقت کا اہم تقاضہ ہے۔ ناچیز سید فضیل ناصری نے کہا کہ ملک کی آزادی میں علمائے کرام کی قربانیاں ناقابلِ فراموش ہیں۔ آج اگرچہ مولانا ابوالکلام آزاد کے سوا کسی بھی مجاہد کا نام عمومی طور پر لیا نہیں جاتا، مگر استخلاصِ وطن کی جدوجہد میں ہزاروں ابوالکلاموں کی جاں فشانیاں شامل ہیں۔ دوسروں سے تو امید نہیں، مگر نئی نسل کو اپنی تاریخ ہمیشہ زیرِ مطالعہ رکھنی چاہیے، تاکہ اس سے تحریک ملتی رہے۔ جامعہ کے استاذِ حدیث مولانا صغیر احمد پرتاب گڑھی زید مجدہم نے کہا کہ انگریز بڑے عیار اور شاطر تھے۔ انہوں نے اپنا تسلط بڑھانے کے لیے اہلِ اسلام کے ایک بڑے طبقے کو خریدا، جنہوں نے فرنگی اقتدار کی کھل کر حمایت کی۔ مگر علمائے حق کے سرفروشانہ عزائم نے انگریزی چال کو کامیاب ہونے نہیں دی اور تحریکِ آزادی کا کارواں مسلسل گرم دم رکھا۔ استاذ حدیث و ناظمِ اعلیٰ دارالاقامہ مولانا طلحہ اعظمی نے جلسے کی نظامت کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح کی تقریبات ہمیں اپنے اسلاف سے مربوط کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ایسے پروگراموں سے تاریخِ آزادی کے مطالعے کا شوق پروان چڑھتا ہے۔ جامعہ کے استاذِ حدیث مفتی نثار خالد صاحب زید مجدہم کی دعا پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ اس سے پہلے اجلاس کا آغاز جامعہ کے طالبِ علم عزیزم توقیر سپولوی سلمہ کی تلاوت ہوا۔ نعت خوانی عزیزم لقمان سلمہ نے کی۔ اس موقع پر مولانا ذکی انجم، قاری بلال، مولانا محمد عثمان، مفتی عبید انور شاہ، مولانا بدرالاسلام، مولانا شبیر، مفتی نوید وغیرہ موجود رہے۔ اجلاس کے بعد طلبہ میں شیرینی بھی تقسیم کی گئی۔

مطبخ کی توسیع

جامعہ کے مطبخ کی توسیع اور دوسری ضروری تعمیرات کا کام الحمدللہ مکمل ہوا، جس میں مطبخ کے لئے سوختہ ذخیرہ کرنے کے لئے شیڈ اور تنور و چولہے وغیرہ تعمیر کئے گئے۔

……◆……

Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband
Vol. 22 Issue 03/May-July/2024
RNI UPURD/2000/10663(83220)
Contact Mob:+91-9557051315 jimask98@gmail.com
Printed, Published & Edited By Syed Ahmad Khizar Shah
on Behalf of JIMAS, Behind Eidgah, Deoband. Saharanpur (U.P.)
Printed At Mukhtar Press Samreen Printers, Deoband

Aug - Sept 2024



جامعہ کی مرکزی عمارت ''انور ہال'' اور مسجد انور شاہ پر مشتمل شاندار منظر



جامعہ میں زیر تعمیر جدید دارالاقامہ کا مجوزہ نقشہ



دارالاقامہ کا بیرونی منظر



مسجد انور شاہ